رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

نگار

قواعد "رسالہ نگار"

۱ - رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے -

۲ - رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں بیس تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہوتی چاہیئے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا

۳ - خط کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھئے - جسپر نمبر خریداری نہیں ہوتا ایسے خطوط ضایع کردئے جاتے ہیں -

۴ - جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے -

۵ - مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہئیں -

۶ - سالانہ قیمت پانچ روپیہ، ششماہی تین روپیہ - بیرون ہند سات روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے -

نرخنامہ اجرت اشتہارات

تعداد صفحہ	ایک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
بارہ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۴۰ روپیہ
چھ مرتبہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ	۲۵ روپیہ

(۱) اجرت ہر حال میں پیشگی آنا ضروری ہے (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دیں گے اُن کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا میعاد اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دینے پر مضمون بدل سکتا ہے -

تعداد صفحہ	ایک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
تین مرتبہ	۳۵ روپیہ	۲۴ روپیہ	۱۴ روپیہ
ایک صفحہ	۱۲ روپیہ	۹ روپیہ	۶ روپیہ

چوتھائی قیمت پیشگی آنی لازم ہے

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

جواب کے لئے ٹکٹ آنا ضروری ہے

مولانا نذیر احمد

نبات النعش ۹ر
مراۃ العروس ۱۰ر
توبۃ النصوح ۱۲ر
موعظۂ حسنہ عمہ
رویائے صادقہ عمہ
ایامیٰ عمہ
فسانۂ مبتلا عمہ
ابن الوقت عمہ
مصائب غدر ۱۲ر

مولانا شبلی

سیرۃ النبی جلد اول عہ
" دوم عہ
" سوم عہ
الفاروق عار
سیرۃ النعمان عمہ
الغزالی عمہ
المامون عمہ
سوانح مولانا روم عار
سفرنامہ مصر و شام عار
علم الکلام عار
الکلام عار
رسائل شبلی عمہ
مقالات شبلی عہ
شعر العجم جلد اول ے
" دوم عار
" سوم عار
" چہارم ے
" پنجم عار
موازنہ انیس و دبیر ے
مضامین عالمگیر ۸ر
آغاز اسلام ۸ر
کلیات فارسی عار
کلام شبلی اردو ۸ر

امیر مینائی

صنم خانہ عشق عار
مراۃ الغیب عمہ
محامد خاتم النبیین ۸ر
ضیائے سخن عہ
مکاتیب امیر مینائی عار

رتن ناتھ سرشار

سیر کہسار عہ
خدائی فوجدار عار
جام سرشار عار
الف لیلہ بطرز ناول صہ
کامنی عمہ
سوانح عمرو عیار عمہ

منشی سجاد حسین مرحوم

احمق الذی ۸ر
حاجی بغلول ۸ر

پیاری دنیا ۸ر
کایا پلٹ ۸ر
میٹھی چھری ۶ر
طرحدار لونڈی عہ
طلسمی فانوس ۱۲ر

جوالا پرشاد برق

مرزا لتی ۱۲ر
مار آستین ۱۲ر
بنگالی دلہن ۱۲ر
معشوقۂ فرنگ ۱۲ر

بسم اللہ

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

شمار- ۲	فروری ۱۹۳۰ء	جلد- ۱۷

ملاحظات

کمیلپور سے واپس ہوتے ہوئے، جب مین ۲۰ دسمبر ۱۹۲۹ء کو لاہور آیا، تو یہ خیال بھی دل مین جاگزین تھا کہ اگر وہان کی فضانے کسی حیثیت سے بھی مساعدت کی تو مین کانگرس کی شرکت کا بہانہ کرکے رخت سفر کھول دونگا اور کم از کم ایک ہفتہ تک اُس سرزمین کا پوری آزادی نشاط کے ساتھ مطالعہ کرونگا جس کی زیارت کا اب سے تقریباً ۲ سال قبل موقعہ تو ملا تھا لیکن حالت غلامی و افسردگی مین — مگر جس وقت مین وہان پہونچا، کثیف ابر محیط تھا، اور بارش نے راستون کی تمام عفونتون اور گندگیون کو خمیر کی صورت مین پیش کر رکھا تھا، چونکہ کثافت سے مجھے غیر معمولی تنفر ہے اور میرے لئے ایسے راستون پر ایک قدم چلنا بھی دشوار ہوتا ہے، اس لئے یہان پہونچتے ہی تنغص و استکراہ کی کیفیت پیدا ہو گئی اور جس وقت فلیمنگ روڈ کی غلاظتون سے میرا تانگا گزرنے لگا تو حالت بالکل ناقابل برداشت ہو گئی۔ مین اسٹیشن واپس ہی جا رہا تھا کہ دفعۃً مسٹر لطیفی بی۔اے ملگئے اور لودھیانہ کی ایک شام اور اُسکی صحبت ملیح کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے، مینے واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا اور رفیعی اجمیری کی فرودگاہ تک جناب اختر شیرانی کے ایک مہمان کی حیثیت سے آخرکار پہونچ ہی گیا

مسٹر لطیفی سے جو کانگرس مین ڈلی گیٹ کی حیثیت سے شریک ہونے والے تھے، تمام اُن طیاریون کا حال معلوم ہوا جو کانگرس کو کامیاب بنانے کے لئے اہل لاہور کی طرف سے عمل مین آرہی تھین، لیکن اس وقت میرے سامنے صرف ایک ہی حقیقت تھی

بسم اللہ

نگار

فہرست مضامین ماہ فروری سنہ ۱۹۳۰ء

ایک تصویر صفحہ ۵

ملاحظات ———— ۲

شیخ محمد علی حزین۔ عبدالمالک آروی ۹

چندر راوتی (افسانہ)۔ سید علی اکبر کاظمی بی اے ۳۳

حقیقت منصور۔ کیفی چریا کوٹی ۴۲

باہیہ خانم (افسانہ) "ابن السبیل" ۵۲

مصحفی و سودا۔ افسر امروہوی۔ ۵۶

چند دن لکھنؤ سے باہر نیاز ۷۷

سیاح کی ڈائری کا تتمہ ۸۵

منظومات:۔ اے عشق کہیں لے چل۔ اختر شیرانی ۹۱

جنگ۔ رفیعی اجمیری ۹۳

مشاہدات۔ سید علی اختر اختر ۹۴

غزلیات ریاض، سنجر، فرخ ۹۵۔۹۶

اور وہ یہ کہ موسم کی ناگواری اور سردی کی شدت حقیقتاً بلائے بد ہے، اس لئے مستقبل کی دلچسپیون پر حال کی اذیتین غالب آئین اور دوسرے ہی دن مین نے کھُلا ہوا بستر پھر لپیٹ لیا۔ علاوہ اس کے یون بھی مین اپنی شرکت کانگرس کو کوئی اہمیت نہ دے سکتا تھا کیونکہ مجھے نہ اس کے ممبر ہونے کا فخر حاصل ہے، نہ ڈلی گیٹ بننے کا امتیاز۔ رہا معمولی تماشائی کی حیثیت سے جانا، سو اس کو بھی طبیعت نے گوارا نہ کیا اور اپنے ذرائع معلومات کو صرف اخبارون کے بھروسہ پر چھوڑ کر واپس آگیا

اس تمہید سے غالباً یہ رائے قائم کیجائے گی کہ مجھے کانگرس سے دلچسپی نہین ہے، جہانتک شرکت کا سوال ہے یہ رائے یقیناً صحیح ہے لیکن جس حد تک معاملات کا تعلق ہے، یہ رائے بالکل غلط ہے۔ گو مین کانگرس مین شریک نہین ہوا لیکن مین نے اس کی ہر کارروائی کو پڑھا، اس کے تمام مد وجزر پر نگاہ رکھی اور خود بھی ایک رائے قائم کی کہ جو کچھ وہان ہوا وہ کس حد تک جائز ودرست ہے اور کس حد تک ناروا وغیر قابل عمل

مین اس ماہ کے ملاحظات مین اسی پر اظہار خیال کرونگا اور ناظرین نگار کے سامنے ملخصاً وہان کی کارروائی کو پیش کر کے اپنی ذاتی رائے بھی دونگا

قبل اس کے کہ آپ لاہور کانگرس کی کارروائی پر کوئی نتیجہ طلب نگاہ ڈالین ضروری ہے کہ گزشتہ سال کے سیاسیات پر غور کرلین۔ نہرو رپورٹ کی تکمیل کے بعد دو پہلو قابل غور پیدا ہو گئے تھے ایک قلیل جماعتونکا اختلاف اور دوسرے کلکتہ کانگرس مین گاندھی جی کے اس مصالحت طلب رزولیوشن کا پاس ہو جانا کہ اگر ۳۱ دسمبر سنہ ۲۹ء تک حکومت نے نہرو رپورٹ کے اصول پر ڈومی نین ہوم رول ہندوستان کے لئے منظور نہ کیا تو پھر کانگرس کا مطالبہ "کامل آزادی" ہوگا

نہرو رپورٹ کے واضعین کا جو مقصود بھی رہا ہو، لیکن اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ سائمن کمیشن کے مضرت سان نتائج کو اسنے ضرور بڑی حد تک دور کردیا اور حکومت نے اچھی طرح محسوس کرلیا کہ باوجود قلیل جماعتون کے اختلاف کے بھی، نہرو رپورٹ پر سائمن کمیشن کے نتیجہ سے علیحدہ ہو کر غور کرنا ضروری ہے، چنانچہ لارڈ ارون کا سفر انگلستان، وہان سے واپس آکر انکا ہمدردانہ، امید افزا پیام، گول میز کانفرنس کے انعقاد کی طیاریان، یہ سب نہرو رپورٹ ہی کے نتائج تھے۔ اب اسکے ساتھ اختلافی پہلو پر بھی نگاہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ بھی بے نتیجہ نہین رہا اور حکومت نے اس سے پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی یعنی حکومت نے اپنی جگہ یہ سوچ لیا کہ جس وقت گول میز کانفرنس مین ہندوستان کی تمام جماعتون کے نمایندے موجود ہون گے تو یقیناً وہ اختلاف بھی رونما ہوگا جو اس وقت تک دور نہین ہوسکا اور حکومت کے لئے بہت آسان ہوگا کہ وہ نہرو رپورٹ کو یہ کہکر رد کردے کہ سارا ہندوستان چونکہ اس پر متفق نہین ہے اس لئے یہ تجویز ناقابل عمل ہے

نہرو رپورٹ کے مرتب کرنے والے اس رمز سے واقف تھے اور اسی لئے انھون نے ویسرائے سے گول میز کانفرنس کی شرکت کی اولین شرط یہ قرار دی کہ حکومت اس امر کا وعدہ کرے کہ وہان صرف ڈومی نین اسٹیٹس پر بحث ہوگی نہ اس امر پر کہ اُسکا دیا جانا مناسب ہے یا نہین۔ یعنی حکومت پہلے اصولاً ڈومی نین ہوم رول کا دیا جانا منظور کرے۔ چونکہ ویسرائے یہ وعدہ نہ کر سکتے تھے

اس لئے لاہور کانگرس کی فضا ایک تو اس لحاظ سے کہ ویسرائے اور لیڈروں کی یہ کانفرنس ناکام رہی، دوسرے اس حیثیت سے کہ کانگریس کے لئے جس صدر کا انتخاب ہوا وہ خود اشتراکیت پسند تھا اور تیسرے اس سبب سے کہ خود سرزمین پنجاب کا جوش و خروش حکومت کے خلاف کافی طور پر بڑھا ہوا تھا۔ کہے دے رہی تھی کہ اگر آزادی کامل کے مطالبہ کے علاوہ کوئی اور رزولیوشن پیش کیا گیا تو کبھی کامیاب نہ ہوگا، خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہستی کی طرف سے پیش کیا جائے۔ پھر اسی کے ساتھ اس چیلنج کو بھی سامنے رکھئے جو کلکتہ کانگریس میں حکومت کو دیا گیا تھا تو معلوم ہوگا کہ گاندھی جی نے مطالبۂ آزادی کا جو رزولیوشن لاہور کانگریس میں پیش کیا تھا وہ ایک نوع کی سیاسی، اخلاقی اور مقامی مجبوری تھی، اور نہ یہ حقیقت گاندھی جی سے بھی پوشیدہ نہیں کہ ملک نہ سول نافرمانی کے لئے طیار ہے اور نہ کسی اور ایسے مظاہرہ کے لئے جو آزادی کامل سے ملک کو قریب تر کردے۔

گاندھی جی کی اس تجویز کے خلاف ۲۶ ترمیمیں پیش ہوئیں لیکن جن پر اجلاس پر بحث و مباحثہ ہوا وہ صرف چند تھیں۔

(۱) ایک ترمیم پنڈت مالوی جی کی تھی کہ فروری کے آخری ہفتہ تک آزادی کامل کے مطالبہ کو ملتوی کرکے آل پارٹیز کانفرنس کے ذریعہ سے گول میز کانفرنس کی شرکت و عدم شرکت پر غور کیا جائے اور پھر جو فیصلہ ہو اس پر عمل ہو۔ مالوی جی کا مقصود یہ تھا کہ ایک موقعہ حکومت کو اور دیا جائے

(۲) دوسری تجویز چودھری فضل الحق کی تھی کہ اپریل تک مکمل آزادی کے اعلان کو ملتوی کرکے گول میز کانفرنس میں مطالبات کو کامیاب بنانے کی کوشش کیجائے

(۳) تیسری ترمیم مسٹر سوبھاش چندر کی تھی کہ مکمل آزادی حاصل کرنے کے لئے فوراً مقابلہ کی ایک گورنمنٹ مقابلہ کی قایم کردیجائے

(۴) چوتھی ترمیم ڈاکٹر محمد عالم کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ اصل رزولیوشن سے اس حصہ کو نکال دیا جائے جس میں ویسرائے کی کوششوں کو بہ نظر استحسان دیکھنے کا ذکر تھا

(۵) پانچویں ترمیم یہ تھی کہ کونسلوں کے بائیکاٹ سے میونسپل بورڈ کو علیحدہ کردیا جائے

ان تمام ترمیموں سے صرف موخر الذکر ترمیم پاس ہوئی، باقی رد ہوگئیں۔ اور اصل رزولیوشن گویا اس مفہوم کا پاس ہوا کہ "کانگرس کا نصب العین مکمل آزادی ہے اور اس کے حصول کے لئے کانگرس سول نافرمانی کے لئے ملک کو طیار کریگی، اسی کے ساتھ کونسلوں، اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ سے کانگرس کے نمایندوں کو نکل آنے کا حکم دیا گیا"

اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا کانگرس کا یہ رزولیوشن قابل عمل ہے یا نہیں اور نیز یہ کہ کیا ایسی تجویز صورت حالات کے لحاظ سے مناسب قرار دیجاسکتی ہے یا نہیں؟

میرے نزدیک مناسب یہ تھا کہ فی الحال مکمل آزادی کی تجویز کو گول میز کانفرنس کے انعقاد تک ملتوی کردیا جاتا اور وہیں

یہ مطالبہ پیش کیا جاتا کہ اس کانفرنس مین صرف ڈومی نین اسٹیٹس پر بحث کیجائے اور برطانوی حکومت اس کانفرنس کی تجویز کو تسلیم کرے۔ اگر یہ دونون شرطین منظور ہو جاتین تو خیر، ورنہ کانفرنس کو چھوڑ کر چلے آتے اور یہ محل ایسا ہوتا کہ شاید اس کے بعد ہندوستان کے کسی فریق کو اختلاف نہ ہوتا اور موجودہ صورتِ افتراق پیدا نہ ہوتی۔ ایک تو یہ پہلو تجویز کا ہے جس کے لحاظ سے اسکو قبل از وقت کہا جا سکتا ہے۔ دوسرا حصہ تجویز کا جو کونسلون وغیرہ کے بائیکاٹ کے متعلق ہے۔ وہ بھی میری رائے مین نامناسب ہے، کیونکہ اگر اس باب مین سارا ملک ہم آہنگ ہوتا تو کوئی نتیجہ پیدا ہو سکتا تھا، لیکن بحالت موجودہ اس سے کوئی مفید نتیجہ مرتب نہین ہو سکتا۔ کیونکہ کونسلون کی خالی جگہ کے لئے بیس امیدوار گورنمنٹ کو مل جائین گے اور اس طرح حکومت کو اور زیادہ تشدد کا موقعہ مل جائیگا

مقابلہ کی تدابیر مین اولین اصول یہ ہے کہ فریق مخالف کے ذرایع مخالفت کو امکان بھر ضعیف و محدود کر دیا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ کونسلون مین سے کانگرس کے آدمیون کا چلا جانا، حکومت کے ہاتھون کو اور قوی بنا دینا ہے اور یہ مصالح جنگ کے بالکل خلاف ہے۔ گاندھی جی کا یہ فرمانا یقیناً اخلاق و صداقت کی دنیا مین عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا کہ جب مکمل آزادی کا عقیدہ اختیار کیا جاتا ہے تو کونسلون مین جانے کے بعد حلف وفاداری لینے کے کوئی معنی نہین رہتے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مصلحت اندیشی و ڈپلومیسی بالکل دوسری چیز ہے اور اس کا اقتضا یہی ہے کہ کونسلون پر پورا قبضہ قایم کیا جائے علی الخصوص اس وقت جب کہ خود ہم نے ابھی تک کسی آزاد گورنمنٹ کی تشکیل نہین کی ہے اور یہ بھی منجملہ اُن ذرائع کے ہے جو اصل مقصود تک پہونچنے کے لئے اختیار کئے جا رہے ہین۔ الغرض رزولیوشن کا یہ حصہ بہت مضرت رسان ہے اور اس سے ملک کو سخت نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے

بہر حال اس وقت ملک کی سیاسی حالت عملاً پہلے سے بہتر حالت مین نہین ہے گو اصولاً کیسی ہی اچھی ہو، کیونکہ باوجود کامل آزادی کے مطالبہ کے جو تمام جماعتون کا حقیقی مقصود ہے، اختلاف ہنوز باقی ہے اور سمجھ مین نہین آتا کہ ایسا کیون ہے، سوائے اس کے کہ اس کو ذاتی کدورتون اور انتقامی جذبات پر محمول کیا جائے۔ اعتدال پسند حضرات کے نزدیک کانگرس کا فیصلہ قبل از وقت ہے تو اس کو اتنا ہی کہنا اور سمجھنا چاہئے، نہ یہ کہ اُسے گمراہ کن ثابت کیا جائے۔ کیونکہ اس کے گمراہ کن ہونے کی صورت صرف یہی ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے مطالبات مین کمزوری کا اظہار کرتی، لیکن جب اس نے اپنا مطالبہ وہ رکھا ہے جس سے ہندوستان کے کسی باشندہ کو اصولاً اختلاف نہین ہو سکتا تو پھر اس پر گمراہ کن ہونے کا الزام کیونکر عاید ہو سکتا ہے

خلافت کانفرنس کی کارروائیان جسے بالفاظ دیگر علی برادران کانفرنس کہنا چاہئے، نہایت ہی مضحک مگر عجیب تھین اول تو اس مین شریک ہونے والے حضرات ہی بہت کم تھے اور جو ہوئے بھی اُن مین سے چند رجعت پسند لوگ تھے اور باقی، علی برادران کی پارٹی کے۔ دو چار نمایندے جو موجودہ خلافت پالیسی کے مخالف تھے ان غریبون کو وہان سے نکال کر میدان اپنے لئے بالکل صاف کر لیا گیا تھا۔ لیکن پُر لطف بات یہ ہے کہ باوجود ان تمام کوششون کے بھی نتیجہ اُن کے خاطر خواہ نہ نکلا، سر شفیع، سر اقبال،

وغیرہ نے اس شرط کے ساتھ خلافت کانفرنس مین شرکت کی تھی کہ وہان مکمل آزادی کا رزولیوشن پاس نہ کیا جائیگا اور ارباب خلافت نے اس کا وعدہ بھی کر لیا لیکن جس وقت گول میز کانفرنس کے خیر مقدم کی قرارداد پیش کی گئی تو اس کی سخت مخالفت ہوئی اور آخرکار مجبور ہوکر مکمل آزادی کی شرط بڑھانا پڑی، دوسری تجویز یہ منظور ہوئی کہ تمام صوبون مین نیابت تناسب آبادی کے لحاظ سے ہو۔ اس تجویز کے بہتر ہونے مین کس کو گفتگو ہوسکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ تجویز بھی بعد از وقت منظور کی گئی۔ اگر مسلمان اب سے ایک سال قبل ہی اسپر راضی ہو جاتے تو یہ اختلاف کیون رونما ہوتے اور اقلیت و اکثریت کا تصادم کیون ہوتا بہرحال ایک عمومی تبصرہ کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس وقت اصولاً تمام جماعتین تو متحد ہین لیکن عملاً ان مین اختلاف ہے، اور یہ اختلاف ایسا شدید نہین ہے کہ دُور نہ ہوسکے

مفاہمت و مصالحت کا صرف ایک ہی طریقہ ہوا کرتا ہے اور وہ یہ کہ نرم گرم دونون فریق اپنی اپنی ضد سے باز آجاتے ہین اور ایک درمیانی صورت ایسی پیدا کر لیتے ہین جسے غرض مشترک قرار دیا جائے۔ اس لئے میرے نزدیک ضرورت اس امر کی ہے کہ آل پارٹیز کانفرنس کو پھر طلب کیا جائے اور وہان صرف عملی پہلوؤن پر غور کرکے کوئی پرامن و صحیح راستہ حصول مقصود کا تلاش کیا جائے۔ گاندھی جی اور اُن کے رفقا اچھی طرح سمجھتے ہین کہ اب ملک سول نافرمانی کے لئے آسانی سے آمادہ نہین ہوسکتا اور وہ اپنی جگہ غور کر رہے ہین کہ کیا صورت اختیار کرنا چاہئے۔ اسی طرح مخالفین بھی متردد ہین کہ وہ کانگریس سے علیحدہ ہوکر کامیاب نہین ہوسکتے اور کوشان ہین کہ ملک کی صحیح رہبری کرین۔ اس لئے امید ہے کہ ان دونون فریقون کا یہ تردد کسی ایسے نقطہ پر آئیگا جہان دونون متفق ہو جائین گے۔ لیکن یہ صرف اسی حالت مین ممکن ہے کہ دونون جماعتون مین سے پہلے اُن ہستیون کو بالکل علیحدہ کر دیا جائے جن کا مقصود صرف تخریب و فساد ہے اور ملک کی اصلاح ان کا مقصود نہین۔ انھین ہستیون مین میرے نزدیک وہ انتہا پسند اور ناآزمودہ کار نوجوان بھی ہین جو انقلاب پسندی کا مفہوم صرف بدامنی پیدا کرنا سمجھ رہے ہین۔ ہندوستان کی حالت ہرگز اس کی مقتضی نہین ہے کہ سختی و تشدد سے کام لیا جائے اور بم پھینکنے کو صحیح تدبیر خیال کیا جائے۔ چنانچہ حال ہی مین ویسرائے کے اسپشل ٹرین کو بم سے صدمہ پہونچانے کی جو کوشش کی گئی وہ بجائے مفید ہونے کے مُضر ہے اور ایسے ناعاقبت اندیش لوگون سے تمام بہی خواہان ملک کو اظہار بیزاری کرنا چاہئے

اس ماہ کے نگار مین باب الاستفسار اور معلومات کے لئے جگہ نہ نکل سکی۔ ماہ آیندہ مین اس کی تلافی کی کوشش کی جائیگی پہلا مضمون حزین کے متعلق مولوی عبدالمالک آروی کی تحقیق و کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس حصہ مین فاضل مقالہ نگار نے صرف حزین کی زندگی اور اُس سے متعلق بعض تمدنی و سیاسی اشارات سے بحث کی ہے جو بجائے خود بہت مفید و کارآمد چیز ہے۔ آیندہ اشاعت مین اس کی شاعری پر ایک دلچسپ تبصرہ ہوگا۔ ہم جناب عبدالمالک صاحب کے شکر گزار ہین کہ انھون نے اس مبحث پر کافی دلچسپ مواد فراہم کیا اور نگار کو اشاعت کے لئے مرحمت فرمایا

چندراوتی ایک فسانہ ہے جسے ہمارے قدیم کرمفرما جناب سید علی اکبر کاظمی بی اے (کمبرج) نے تحریر فرمایا ہے۔ صاحب موصوف صوبۂ بہار کے ایک معزز خاندان کے فرد ہین اور وہان کے محکمۂ تعلیم مین اعلیٰ عہدہ پر سرفراز ہین۔ آپ کو اُردو زبان سے (باوجود اس بیگانگی کے جو ولایت کے طویل قیام کے دوران مین پیدا ہو جانا لازم ہے) بہت دلچسپی ہے، اس سے قبل بھی نگار مین آپ کے کئی فسانے شائع ہو کر پسند کئے جا چکے ہین

حقیقت منصور مولانا کیفی چریاکوٹی کا مضمون ہے، جو پوری کیفیت تصوف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ تحقیق کے نقطۂ نظر سے میرے نزدیک اس مین گفتگو کی کافی گنجایش ہے۔ عرصہ ہوا مین نے منصور کے متعلق بہ سلسلۂ استفسار اپنے خیالات ظاہر کئے تھے لیکن انکا تعلق صرف سیاست و شریعت سے تھا، روحانی کیفیات کے لحاظ سے مین نے کوئی گفتگو نہین کی تھی جس کو آج مولانا کیفی پورا کر رہے ہین اور پورے مبالغہ کے ساتھ۔ یہ مضمون صاحبان ذوق و شوق کے لئے گویا "محفل قوالی" کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے، امید ہے کہ پسند کیا جائیگا

باہیہ خانم فسانہ نہین ہے بلکہ جناب ابن السبیل کا ایک تجربہ ہے منجملہ ان بہت سے دلچسپ تجربات کے جو ممالک غیر کی سیاحت کے دوران مین انھین حاصل ہوئے۔ ہمین امید ہے کہ ابن السبیل صاحب آیندہ بھی اس قسم کے واقعات سپرد قلم کرتے رہین گے جو حقیقتاً فسانون سے زیادہ دلچسپ ہین

جناب افسر امروہوی اس سے قبل مصحفی و میر کا تقابل کر چکے ہین۔ اس مرتبہ انھون نے مصحفی کو سودا کے مقابل پیش کیا ہے۔ جناب افسر وہین کے رہنے والے ہین جہان مصحفی کا مسکن تھا اور شاعری مین بھی اس کے متبع ہین۔ اس مین شک نہین کہ مصحفی جس مرتبہ کا شاعر تھا اس کو ابتک بہت سے لوگون نے نہین سمجھا اور ضرورت ہے کہ ملک کے ارباب قلم کو اس موضوع پر لکھنے کی دعوت دیجائے۔ چنانچہ ارادہ ہے کہ جنوری سنہ ۱۹۳۱ع کا رسالہ اسی مبحث کے لئے مخصوص کر دیا جائے اور کافی ضخیم نکالا جائے ماہ آیندہ مین ایک مفصل اعلان اس باب مین کیا جائے گا

"چند دن لکھنؤ سے باہر" میرا مضمون ہے جسے اپنے بعض مخلص احباب کے الطاف و عنایات کے ایک ناقص اعتراف کی حیثیت پیش کرنے کی جرأت کرتا ہون

"سیاح کی ڈائری کا تتمہ" وہی مضمون ہے جس کا وعدہ دسمبر سنہ ۲۹ع کے نگار مین کیا گیا تھا، معلوم نہین اس کا شکریہ سیاح کی خدمت مین بھیجا جانا چاہئے یا اُن کے نمایندہ کے پاس ——— مگر کیون نہ دونون کو شامل کر لیا جائے

نظمون مین جناب اختر شیرانی کی نظم "اے عشق کہین لیچل"، ایک ایسی والہانہ چیز ہے جس کو سننے کے بعد بجائے داد دینے کے ان پر رحم کرنے کو جی چاہتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے آپ کے دل دکھانے سے کیا ہوتا ہے، جب تک وہی متوجہ نہ ہو جس کے عدم التفات کے خلاف، صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے جناب اختر اپنے عشق کو "دربدرندش" کا معمول بنانا چاہتے ہین۔ اس نظم کے اکثر بند اسقدر لطیف ہین کہ ان کو پڑھنے کے بعد بے اختیار جی چاہنے لگتا ہے کہ کاش کہ ہم بھی

ان کو خیالی دنیا مین ان کی سلمائی فضا مین ایک تلخ حقیقت کی حیثیت اختیار کر سکتا

دوسری نظم جناب رفیعی اجمیری کی ہے جس مین صنعت آہنگ سے کام لیا گیا ہے۔ صنعت آہنگ سے مراد یہ ہے کہ موضوع کے لحاظ سے ایسے الفاظ استعمال کئے جائین جو اس کی تصویر کھینچنے مین پوری مدد دے سکین۔ مثلاً میر انیس کا مشہور مصرعہ ہے:

نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

اس مین ڈکارتا، ضیغم اور کچھار یہ تینون لفظ ایسے ہین جو مہیب صحرا سے ایک خوفناک شیر کے نکلنے کی تصویر کو پوری طرح ظاہر کر رہے ہین اگر ان ثقیل الفاظ کے بجائے ہلکے الفاظ یہان رکھدئے جائین تو کبھی مقصود حاصل نہین ہو سکتا۔ جناب رفیعی نے بھی جنگ کے لحاظ سے وہی الفاظ اس نظم مین استعمال کئے ہین جو جنگ کے وحشت و ہراس، خوف و دہشت وغیرہ کو بخوبی ظاہر کرتے ہین۔ اُردو اس رنگ کی نظمین بہت کم لکھی جاتی ہین

نظم ''مشاہدات و واردات'' ہمارے عزیز دوست مولوی سید علی اختر اختر کا عطیہ ہے۔ ناظرین نگار اس سے قبل بھی آپ کی نظمین بہت پسند کر چکے ہین اور اس مین کلام نہین کہ آپ کا حکیمانہ طرز ادا جو فطرتِ انسانی کے غایر مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ یقیناً داد و ستایش کا مستحق ہے

غزلون میں اس مرتبہ ایک غزل آپ کو ایک قدیم لیکن نگار کے لحاظ سے بالکل جدید ہستی ریاض خیرابادی کی نظر آئے گی۔ جناب ریاض کی ہستی تعارف و تقریب سے مستغنی ہے اور ہم سید امتیاز علی بی اے اسسٹنٹ اڈیٹر ہمدم کے ممنون ہین کہ انھون نے اپنی جیب سے ریاض کی یہ غزل نکال لینے مین مطلق کوئی مزاحمت نہین کی۔ مین جناب ریاض سے یہ استدعا نہین کرونگا کہ آیندہ کے لئے براہ راست کرم فرمائی کا شیوہ اختیار کرین، کیونکہ سوال کی خو مجھ مین کبھی پیدا نہین ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ اس غزل مین ریاض کے بعض بعض شعر ایسے ہین جس سے ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ وہ زندگی اور تاثرات کے کس دور سے گزر رہے ہین۔ جناب سحر عظیم آبادی نے بھی بعض شعر خوب فرمائے ہین اور جناب فرخ بنارسی کے رنگ تغزل کے متعلق لکھنا اس لئے غیر ضروری ہے کہ ناظرین نگار اس سے آشنا ہو چکے ہین اور پسند کر چکے ہین

۱۹۳۰ء کا جو پروگرام نگار کی ترتیب و تہذیب کے متعلق طیار کیا گیا ہے اس کے متعلق مین کوئی تفصیل فی الحال دینا مناسب نہین سمجھتا لیکن وہ حضرات جنھون نے یقیناً غلط فہمی کی بنا پر میری تنقیدات کو عصبی رنگ کی چیز سمجھا، اپنی جگہ مطمئن ہو جائین کہ یہ سال مین نے اپنے ضغطۂ دماغی کے دور کرنے کے لئے ''سنِ راحت'' قرار دیا ہے بالکل اسی طرح جیسے یہودی روایات کے مطابق الوہیم نے چھ دن تک کام کرنے کے بعد ساتوین دن کو ''یوم السبت'' قرار دیا تھا

میں ۱۷ فروری ۱۹۳۰ء کو براہ قاضی پیٹ روانہ ہو کر ۱۸ کو حیدرآباد پہونچونگا اور جناب ہوش بلگرامی کے دولت کدہ پر رسالہ عبداللہ قدیم میں قیام کرونگا۔

نیاز

شیخ محمد بن ابو طالب علی حزین لاہجی

مقدمہ

شیخ کے کلام پر جب ایک مبصر کی نگاہ پڑتی ہے، تو وہ کسی قدر غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچتا ہے، کہ انہوں نے اپنا تمام سرمایۂ خیال غزل گوئی میں صرف کیا ہے، یوں تو آپ کے کلام میں غزلیات و قصائد بھی ہیں رباعیات و مثنوی بھی، لیکن جو برجستگی و حلاوت و لطافت آپ کی عشقیہ شاعری میں پائی جاتی ہے، وہ دیگر اصناف سخن میں نہیں لہذا آج کی صحبت میں، شیخ کے محاسن کلام میں زیادہ تر غزلیات کو لوں گا، اور بتاؤں گا کہ شیخ نے غزل گوئی میں کیا خصوصیت پیدا کی اور یہ کہ فارسی کے اکابر شعراء میں آپ کا کیا درجہ ہے؟

قبل اس کے کہ اصل موضوع سے تفصیلی بحث کروں، زیادہ مناسب ہے کہ فارسی کی عشقیہ شاعری پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لوں، میرے نزدیک "غزل گوئی" ہی کا دوسرا نام "عشقیہ شاعری" ہے کیونکہ غزل میں وہی جذبات ادا کئے جاتے ہیں، جو مظاہر عشق ہیں اس لئے لذت وصل، درد فراق، اضطراب محبت، پرستش حسن، مستی شباب، راز و نیاز، اور رموز خلوت و جلوت کو علوئے تخئیل اور عذوبت بیان کے ساتھ پیش کرنا ایک اچھے غزل گو کا فرض اولین ہے۔ اور بنا براں عشقیہ شاعری پر بحث کرنے سے پہلے اگر خود "عشق" پر بھی لغوی، مذہبی اور نفسیاتی نقطۂ نظر سے ایک نگاہ ڈال لی جائے تو غالباً بے محل نہ ہوگا۔

عشق کی لغوی اور مذہبی وضاحت

عشق ایک عربی لفظ ہے، جس سے معاشقہ، تعشق، عاشق وغیرہ مشتق ہیں، بعضوں نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ یہ عشقہ سے ہے، جس کے معنی لبلاب ہیں، لبلاب اس بیل کو کہتے ہیں جو اکثر درختوں کے اوپر پھیل جاتی ہے، اور جس درخت پر پھیلتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے، عشق کی بھی یہی حالت ہے، ہر چند یہ خالص عربی لفظ ہے، اور قدیم عربوں کی شاعری میں کثرت سے استعمال ہوا ہے، چنانچہ ایک شعر ہے جسے مجنوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

تعشقت لیلی وھی غر صغیرة   وان کنت ابن سبع ما بلغت ثمانیا

ابو تمام کے حماسہ اور دوسرے قدیم عربوں کے کلام میں یہ لفظ پایا جاتا ہے، لیکن باینہمہ قرآن مجید نے اسے کہیں استعمال نہیں کیا، باوجودیکہ بعض قدیم شعرائے عرب کے کلام میں جو الفاظ و فقرے آئے ہیں وہ بجنسہٖ قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے، کہ قدیم عربوں کی معاشرتی زندگی میں عشق کا اخلاقی معیار ایسا پست ہو گیا تھا، جسے سنجیدہ زندگی حسن اخلاق کی لطافت سنجیوں، اور محبت عفیف کی حقیقی شورشوں سے تعبیر کرنے کے لئے تیار نہیں تھی، لہذا قرآن مجید نے خالق و مخلوق کے عشقیہ نمونہ، عورت و مرد کے والہانہ جذبات محبت، باپ اور بیٹے کے عاشقانہ واقعات فدائیت بیان تو کئے، لیکن کہیں

"عشق" کا لفظ استعمال ہوا، خالق و مخلوق کے عشقیہ رموز کی جو پردہ دری کی جاتی ہے وہ ان الفاظ میں ہے

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونہم کحب اللہ والذین آمنوا اشد حباً للہ (بقرہ)

اسی طرح جب بیٹے کے ساتھ باپ کے عشقیہ رمز کا انکشاف کیا جاتا ہے تو اس اسلوب سے اذ قالوا لیوسف واخوہ احب الی ابینا منا

عام اصطلاح میں عشق کا جو مفہوم لیا جاتا ہے، قرآن مجید نے اسے بھی بیان کرتے ہوئے "حُب" ہی کا لفظ استعمال کیا ہے،

وقال نسوۃ فی المدینۃ امرأۃ العزیز تراود فتاھا عن نفسہ قد شغفہا حباً۔

الغرض قرآن مجید نے رموز عشقیہ کی توضیح میں عشق کے بجائے حب کا لفظ استعمال کیا، لیکن احادیث میں یہ لفظ پایا جاتا ہے، چنانچہ مشہور حدیث ہے، جسے مولانا جامیؒ نے بہارستان میں بھی نقل کیا ہے، "من عشق وکتم وعف ثم مات مات شہیداً"

عشق کی نفسیاتی تشریح

بعض ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ عشق، شباب یا بہ الفاظ دیگر جذبۂ جنسی کی پیداوار ہے، اگر یہ صحیح مان لیا جائے تو شعور جنسی کی مفصلہ ذیل بحث سے یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ ہر انسان میں علی قدر مراتب، معاشقہ کی صلاحیت موجود ہے، شعور جنسی جہاں تک طوفان خیز ہوگا ولولۂ عشق بھی اس حد تک بلا انگیز ہوگا، چونکہ جذبۂ جنسیت کا غلبہ عہد شباب میں ہوا کرتا ہے، لہذا عشق کا تسلط عہد شباب ہی میں ہوتا ہے۔

عمومیت عشق کے متعلق پروفیسر ولیم جیمس "مبادی نفسیات" جلد دوم میں عنوان "ارادہ" کے اندر ایک نہایت دلچسپ واقعہ لکھا ہے، شورش عشق کو ایک خاص قسم کے جنون سے تعبیر کر سکتے ہیں جو بعض افراد پر طاری ہوتا ہے:۔

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

ہر چند ہم لوگ صاحب ہوش وحواس ہی کیوں نہ ہوں، یہ شوریدگی عشق محبوب کے ساتھ حقارت ونفرت کے باوجود قائم رہتی ہے، الفیری خود اپنی پرزور متصادمانہ قوت اور ایک خاتون کے ساتھ غیر معمولی تہیج عشقیہ کے واقعات لکھتا ہے۔

"میں ایک بار ایسی کربت زا کیفیت میں مبتلا ہوا جو میری نظر میں نفرت انگیز معلوم ہونے کے باوجود مجھ پر طاری رہی، اور اگر یہ کچھ عرصہ تک یونہی قائم رہتی تو یا تو میں مبتلائے جنون ہو جاتا، یا میری زندگی کے دن ہی ختم ہو جاتے، میں اس ذلت انگیز سلسلہ میں جنوری ۱۷۷۵ء کے اخیر تک مبتلا رہا، اس وقت تک یہ شعلہ میرے دل وجگر میں پنہاں تھا، اب یہ نہایت شدت کے ساتھ شورش افزا معلوم ہونے لگا، ایک دن شام کو جب میں تفریح گاہ سے واپس آیا، جہاں میں کئی گھنٹے تک اس محبوبہ خاتون کے ساتھ جو میرا مطمح نظر بھی تھی اور مرکز نفرت بھی، بیٹھا رہا، تو مکان آکر میں نے عزم صمیم کر لیا کہ اب ہمیشہ کے لئے اسکی محبت سے آزاد ہو جاؤں گا، میں اپنی خصوصیت عادات اور سخت گیری سے واقف تھا، میں نے سوچا کہ اگر فلاں حکمت عملی کی جائے تو میں اس آزار روحانی سے نجات پالوں گا، میں نے تہیہ کر لیا کہ اب گھر سے باہر ہی نہ جاؤں گا، میرا گھر اس خاتون کے مقابل تھا، میں نے یہ بھی ارادہ کر لیا کہ اپنی کھڑکی بھی نہ کھولوں گا، اور نہ اس خاتون کو آمد ورفت کے وقت دیکھوں گا، نہ اس کی آواز سنوں گا یہاں تک کہ خاتون کی قربت آمیز سندیا دیا اس کا بالواسطہ یا بلاواسطہ اقدام محبت، میرے قلب میں عشق ومحبت کی بقا نہیں رکھ سکتا، میرا ارادہ راسخ ہو گیا تھا کہ میں یا تو خود کو اس آزار محبت سے آزاد کر دوں گا، یا جان دیدوں گا، میں نے اپنا یہ ارادہ اپنے ایک گہرے دوست پر ظاہر کیا،

جو مجھ سے گہری محبت رکھتا تھا، اور میں اسکی تعظیم و تکریم کرتا تھا، اسے میری اس دماغی حالت پر بہت افسوس آیا، لیکن اس نے میری پر درد حالت کا نظارہ ملال انگیز نہ کرنے کی غرض سے، اور مجھے اس عمل سے باز رکھنے کی ترغیب ناممکن دیکھکر، میرے یہاں آمد و رفت ہی ترک کر دی، چند سطور میں میں نے اسے اپنی اس تدبیر کا حال لکھا، جو میں نے خود جنون عشق سے شفا پانے کے لئے اختیار کی تھی، اور اپنی پختگی ارادہ کے ثبوت میں مینے پیشانی کے بال کاٹ ڈالے، میں نے عمداً اسے کاٹ دیا تھا، تاکہ باہر نہ جا سکوں، چونکہ اس وقت گداگروں اور ملاحوں کے سوا، دوسرا آدمی چھوٹے چھوٹے بال رکھ کر پبلک میں نہیں آتا تھا، میں نے اپنے ایک شاگرد کو متعین کیا اور اسے قسم دیدی کہ وہ میرے ارادہ اور تدبیر میں میری مدد کرے، اس صورت سے میں اپنے گھر میں محبوس رہا، اور ہر قسم کے تعلقات ترک کر دئے، اس طور سے پندرہ دن اتم اور ملال میں بسر ہوئے، میرے بعض دوست میری ملاقات کیلئے آئے اور انہیں میری حالت پر رحم آیا، ہر چند میں نے انکا شکوہ نہیں کیا لیکن انہوں نے میری شکل و صورت سے میرے آزار کا پتہ لگا لیا، کچھ پڑھنے کے ارادہ سے میں نے اخبار کا مطالعہ شروع کیا، جس کے ورق کے ورق میں نے پڑھ ڈالے، لیکن ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکا، میں اسی حالت میں دو ماہ یعنی مارچ ۱۸۳۱ء تک مبتلا رہا، اس دور میں میری کیفیات ایسی تھیں جس کے ڈانڈے جنون سے ملے ہوئے تھے، لیکن اس کے بعد ہی میرے دماغ میں ایک جدید خیال پیدا ہوا، جس نے میرے تہیجات غم و کربت میں سکون پیدا کرنا شروع کیا"

جیمس لکھتا ہے کہ یہ شاعری کا خیال تھا جو اس حیات زسا مرض کے زمانہ میں پیدا ہوا، الفیری کہتا ہے کہ اس خیال میں جو میری فلاح مضمر تھی وہ یہ تھی کہ میں بتدریج آزار محبت سے رہا ہونے لگا، اور میری قوت مدرکہ میں جو ایک عرصہ سے خفتہ اور معطل تھی بیداری کے آثار ظاہر ہونے لگے، میں نے اب اسکی ضرورت نہ سمجھی کہ میں خود کو کرسی سے بندھا ہوا رکھوں، تاکہ اپنا گھر چھوڑ کر اپنے محبوبہ خاتون کے مکان میں نہ جا سکوں، تمام خیالی طریقوں میں میں نے جو اختیار کیا زیادہ دلچسپ یہ تھا کہ عید کے اخیر میں، بھیس بدل کر میں تھیٹر میں چلا آیا، اپالو کی طرح بیٹھ کر ایک ستار پر میں اپنے ہی بنائے ہوئے اشعار گانے لگا، اس قسم کی بے حیائی میرے چال چلن کے بالکل مخالف تھی، لیکن میری طرف سے اسکا عذر ہو سکتا ہے، کہ یہ تمام مناظر میری اس ظالمانہ شوریدگی عشق کی مزاحمت کے لئے تھے، میں نے محسوس کیا کہ غرض عشق اور میرے درمیان ایک ناقابل طے حد بندی قایم ہو جائے اور میں نے دیکھا وہ قوی ترین "شرم" تھا جس کے روبرو مجھے بے نقاب ہونا چاہیئے۔

بادوئن فرانس کا مشہور نفسیات داں گزرا ہے، ایڈن اور سیڈر پال نے اس کی عالمانہ کتاب "تصریح نفسیات" کا فرنچ سے انگریزی میں ترجمہ کیا، مصنف "تخیل ارتقائے شعور" کے زیر عنوان مفصلہ ذیل نفسیاتی تحقیق پیش کرتا ہے:۔

ایک عرصہ بعد تک یہ مسئلہ متداول تھا کہ شعور (Instinct) ناقابل تغیر ہے، اس کے بعد منطقی ترقی نے ثابت کیا کہ جب ایک ہی جنس سے دوسری جنسیں وجود میں آتی ہیں اور جب ہر جنس اپنی مخصوص حیات شاقہ بھی رکھتی ہے، تو یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے، کہ "شعور" مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے، اسپالڈنگ نے اس مسئلہ کو اس زینہ تک پہنچایا کہ "چند شوریں زندگی کے ایک خاص مرحلہ پر رونما ہوتے ہیں"، اگر اس دور میں، اس شعور کو روک کر ظاہر نہ ہونے دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر وہ ظاہر نہ ہوگا، ایک حد تک اسپالڈنگ کا یہ خیال ولیم جیمس کے "اصول شعور" کی بنیاد تھا، جیمس اپنے "قانون رغبیہ" (Law of Transitoriness)

بحث لکھتا ہے، کہ بہتیری شعوری کیفیات حیات کے ایک خاص دور میں پختگی حاصل کرتی ہیں اور پھر فنا ہو جاتی ہیں، تھارنڈک اس خیال میں تعمیم پیدا کر کے کہتا ہے، کہ ہر ایک شعور اگر ماحول کی مزاحمت سے، وقت پر ظاہر نہ ہو سکے تو فنا ہو جائے گا۔ ولیم جیمس اپنی کتاب "مبادی نفسیات" میں انسانی شعور کی ایک فہرست دیتا ہے، اور انہیں "قانون عارضیہ" کے ماتحت رکھتا ہے، اگر ایک بچہ گھوڑے کی سواری، مچھلی کا شکار، اور بندوق کا استعمال اس وقت نہ سیکھے جب عموماً یہ شعوریں پیدا ہوتی ہیں تو پھر آئندہ زندگی میں ان فنون کا حصول، باوجود دستیابی موقعہ بھی دقت طلب ہوگا، اسی طرح زندگی کے ایک خاص دور میں مصوری و صنعت کا ذوق پیدا ہوتا ہے، بڑی حد تک موجودہ اصول تعلیم کی کامیابی، جنمیں بچوں کے فطری اذواق کا لحاظ رکھا گیا ہے، نفسیات کے اسی اصول کی مرہون منت ہے، جہاں ہم لوگ واقعات کی بنا پر اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ شعور کو دبا دیا جاتا ہے، وہاں نفسیاتی تحقیق اس عقیدہ کی بھی موید ہے، کہ شعور دوسری شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

شعور جنسی (Sexual Instinct) کے متعلق فرایڈ اور جیمس کے خیالات یکساں ہیں، فرایڈ نے شعور جنسی کی بہتیری متغیر صورتیں پیش کی ہیں اسکا خیال ہے کہ جذبہ جنسیت چند "رجحانات ثانیہ" (Secondary Tendencies) کا ایک مجموعہ ہے، اور پھر ان رجحانات ثانیہ کو مفصلہ ذیل عنوان کے ماتحت رکھتا ہے:۔

غلط کاری (Auto-Erotism)، تصابی (Homo-Sexuality) انکشاف ستر عورت یا عریانی (Exhibitionism) وغیرہ جب اصل رجحان دبا دیا جاتا ہے، تو وہ مشتق ہو کر کسی نہ کسی رجحان ثانیہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے، تغیر شعور کے مسئلہ میں نفسیات کے دو اصول ہیں، جنہیں "قانون تبجی" (Derivation) اور قانون تجید (Sublimation) کہتے ہیں۔ سابق الذکر اصلاح کا یہ مفہوم ہے کہ حیات شاعرہ کی مخصوص نوعیت جب اپنے نمود کا موقعہ نہیں پاتی، تو کسی نہ کسی صورت میں مشتق ہو کر ضرور رونما ہوتی ہے۔ شورش جنسیت کے مظاہر کا جب موقعہ نہیں ملا کرتا تو بورڈنگ ہاؤس اور زندان خانہ کے افعال قبیحہ کے دردناک شواہد ہمارے سامنے آموجود ہوتے ہیں، قانون تجید قانون تبجی کی ایک مزکی اور منظم صورت ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ بعض اوقات حیات شاعرہ کی مزاحمت ایک کامیاب اور فائدہ بخش صورت بھی پیدا کر دیتی ہے، جس کے محاسن کسی اخلاقی، دماغی اور مذہبی رنگ میں ہمارے سامنے آتے ہیں، اسی کو یورپ کا ایک بہت بڑا ماہر نفسیات فرایڈ (a successful and beneficient derivation ایک کامیاب اور مفید قانون تبجی) کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔

اگر باڈوین کے نفسیاتی اصطلاحات قانون تبجی، و قانون تجید حقائق سے متعلق ہیں، جن کے صحیح تسلیم کر لینے میں کوئی استبعاد عقلی نہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ فارسی کے تمام اکابر غزل گو سعدی، حافظ، خسرو، جامی، عرفی کی عشقیہ شاعری گویا شعور جنسیت، محبت عفیف، اور سیہ شوری شباب کا نتیجہ ہے کہ جو قانون تجید کے ماتحت شعر و سخن کی صورت میں ہمارے سامنے آتی، شیخ حزیں میرے نزدیک مشاہیر غزل گو میں کسی سے کم درجہ نہیں رکھتے، بلکہ بعض اعتبار سے اکثر ارباب کمال پر آپ کو تفوق ہے، جس کی تفصیل آپ کے خصوصیات کلام کے سلسلہ میں پیش کی جاوے گی۔

شعرائے متقدمین کا ذوق عشقیہ | جب عشق شعور جنسیت اور جوش شباب کا نتیجہ ہے، جس کی پیداوار عشقیہ شاعری ہے، تو یہ

بات ثابت ہو گئی کہ ایک اچھے اور کامیاب غزل گو کا عاشق ہونا بھی ناگزیر ہے، اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ اکابر غزل گو اور مشاہیر عشقیہ شاعر حی اپنے دور کے درد دل رکھنے والے عاشق تھے۔ جس کے تاریخی شواہد یا تو خود ان کی تصنیفات میں پائے جاتے ہیں، یا اوراق تاریخ میں تلاش کرنے سے نظر آتے ہیں۔

سعدی، حافظ، خسرو، جامی، عرفی فارسی شاعری کے ابوالآبا تھے، جنہوں نے سعدی کی گلستاں باب پنجم کا مطالعہ کیا ہے، انکی نظر سے شیخ سعدی کے واقعات عشقیہ بھی گذرے ہوں گے، فرماتے ہیں :۔

"در عنفوان جوانی چنانکہ افتد دانی، با شاہدے سرے و سرے داشتم بحکم آنکہ حلقے داشت طیب الادا،
وخلقے کالبدر اذا بدا"

دوسری حکایت میں پھر اپنے ایک دوسرے عشقیہ راز کی یوں پردہ دری فرماتے ہیں :۔

"یاد دارم کہ در ایام جوانی گزر داشتم در کوئے و نظر بر روئے"

اس کے بعد کڑ کڑاتی دھوپ میں کوئے جاناں میں پہونچنے کا تذکرہ فرماتے ہیں اور پھر یہیں تک نہیں بلکہ اپنی محبوبہ کے حسن بدیع اور جمال غریب کا یوں اظہار کرتے ہیں

"ناگاہ از ظلمت دہلیز خانہ روشنائی بتافت یعنی جمالیکہ زبان فصاحت از بیان صباحت او عاجز آید
چنانکہ در شب تارے صبح برآید یا آب حیات از ظلمات بدر آید"

آپکو محبوبہ کے ہاتھ سے پانی ملتا ہے، اس وقت آپ ایک سرشارانہ طریقہ سے قدح آب اور معشوق کے پسینہ کی تعریف کرتے ہیں :۔

"قدحے برف آب در دست گرفتہ و شکر دراں ریختہ و بعرق آمیختہ ندانم کہ بگلابش مطیب کردہ بود یا قطرہ
چند از گل رویش دراں چکیدہ فی الجملہ شراب از دست نگارینش برگرفتم و بخوردم و عمر از سر گرفتم"

اس کے بعد فرماتے ہیں ہماری تشنگی، جس سے محبوبہ نے ایک پیالہ شربت دیکر مجھے آسودہ کرنا چاہا، دریاؤں کے پی جانے پر بھی بجھنے والی نہیں، یعنی یہ تشنگی، ہجر کی تشنگی ہے، جس سے آسودگی اسوقت میسر ہو گی جب لذت وصل میسر آجائے

ظماء بقلبی لایکاد یسیغہ   رشف الزلال ولو شربت بحوراً

خواجہ حافظ کی پرجوش عشقیہ ترانہ سنجی آپ کے دیوان کا مطالعہ کرنے والے کسی طرح فراموش نہیں کر سکتے، فرماتے ہیں :۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا   بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

"ترک شیرازی" کہا صرف ترک کا تعمیمی لفظ نہیں لائے، لہذا شیرازی کی قید لگا کر اس شعر کو اپنے واقعہ زندگی کے تحت مخصوص کر لیا ہے، جو ایک تاریخی حقیقت رکھتا ہے۔

جناب خسرو دہلوی کا واقعہ عشق عہد غلامان کی عشقیہ داستانوں میں ایک ایسی شہرت رکھتا ہے، جسے تاریخ نے کبھی نظر انداز نہیں کیا، تاریخ فرشتہ کے بارھویں مقالہ میں یہ واقعہ موجود ہے، جس کے سلسلہ میں الغزی کی طرح جناب خسرو نے اپنی مغلوبیت عشقیہ دنظون خلا...

مہونے کا حسرت اندوز گلہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

زین دل خود کام کار من برسوائی کشید خسروا فرمان دل بردن ہمیں بار آوردہ

مولانا جامی نے سعدی، حافظ، خسرو وغیرہ کی طرح خود تو اپنے واقعات عشقیہ بیان نہیں کئے، اونہوں نے گلستاں کے جواب میں بوستاں تو لکھی اور گلستاں کی طرح اپنی کتاب کے پانچویں باب میں افسانہائے عشق بھی لکھے ہیں لیکن اپنی ذاتی زندگی کو پیش نہیں کیا اور نہ آپ کے واقعات عشقیہ تاریخ میں کہیں پائے جاتے ہیں، لیکن جب آپ کے دیوان کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو عقل سلیم یہ نتیجہ نکال لیتی ہے کہ آپ بھی آزار دل سے خالی نہ تھے، مولویت کی سنجیدہ زندگی نے سعدی، حافظ، اور خسرو کی طرح کلام میں شوخی نہیں پیدا ہونے دی، مگر آپ کا کلام راز محبت کو پردہ کتمان میں نہ رکھ سکا، فرماتے ہیں:-

مشغولی عشق نداد جامی از شغل جہاں فراغ مارا

ز عشق تو بہ نہ مقدور من بود جامی خدا چو بہر ہمیں کار آفرید مرا

عرفی کا واقعہ محبت، نگار بابت ماہ دسمبر ۲۸ء میں لکھا جا چکا ہے۔

ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فارسی شاعری کا کمال غزل گوئی خود شعراء کے مبتلائے محبت ہونے کا نتیجہ تھا جو فرانس کے مشہور ماہر نفسیات باڈوئن کے قانون تجدید کے ماتحت ہے۔

متقدمین کی عشقیہ شاعری شعرائے متقدمین میں بڑے بڑے باکمال گذرے، لیکن سب غزل گوئی میں وہ نزاکت تخئیل، کرشمہ لطف، بیساختگی کلام اور حلاوت معنی نہ پیدا کر سکے، جو ان کے ذوقیہ صنف سخن میں پائی جاتی ہے۔

فردوسی اور نظامی، مثنوی میں تو بے مثل رہے، لیکن غزل گوئی میں وہ کچھ نظر نہیں آتے، اسی طرح خاقانی اور انوری قصاید میں تو تمام شعرائے فارس سے بڑھ گئے، لیکن عشقیہ شاعری کی خصوصیات سے انکا کلام معرا رہا، وہی قصیدہ کی سی دقیقہ سنجیاں ہیں اور شان و شکوہ والے الفاظ جن سے جذبات کی لطافت اور احساسات کی نزاکت قایم نہ رہ سکی، مولانا روم کی فلسفیانہ اور صوفیانہ شاعری نے مشرق سے گذر کر مغرب سے بھی خراج تحسین وصول کیا، آپکے دیوان میں عمدہ غزلیں بھی ہیں، لیکن صوفیانہ رنگ کا غلبہ ہے، اور فلسفیانہ نکتہ سنجیوں کا تسلط، اگر غزلیات کے اندر فلسفیانہ تخیلات، صوفیانہ نکتے، تاریخی روایات، اور مذہبی ارادتمندیاں ہوں تو انہیں دایرہ معارف کہہ لیجئے، نطق الہام سے تعبیر کر لیجئے، لیکن غزلیات کے نام سے نامزد کرنا "اتہام تعبیری" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، یاروں نے خواجہ حافظ کے کلام کو بھی مولانا رومی ہی کی طرح ایک نطق صوفیانہ سمجھ لیا، اسمیں شک نہیں کہ بعض مقامات میں خواجہ صاحب کے کلام کے اندر صوفیانہ ذوق بھی پایا جاتا ہے، لیکن آپ کے شارحین نے آپ کے ہر شعر کی تشریح میں ایسے دور از کار صوفیانہ تاویلات سے کام لیا ہے کہ غزل فلسفہ مابعد الطبیعہ کی طرح خشک رہ گیا ہے۔ حالانکہ خواجہ صاحب کے کلام کا اکثر حصہ سادہ اور تاویلات سے مستغنی ہے، بشرطیکہ کمال غزلگوئی کی رعایت سے دیکھا جائے، جامی کے کلام کا ایک حصہ تو رومی کے طرز میں ہے جسکی وضاحت موازنہ میں کیگئی ہے، اور دوسرا حصہ سعدی، خسرو، حافظ اور عرفی کیطرح کمال غزلگوئی کی شان پیدا کر رہا ہے:-

رومی

چمنے کہ تا قیامت گل او ببار بادا
صنمے کہ بر جمالش دو جہان نثار بادا

ز بگاہ میر خوباں بہ شکار می خرامد
کہ بہ تیر غمزۂ او دل ما شکار بادا

بدو چشم من ز چشمش چہ پیامہاست ہر دم
کہ دو چشم از پیامش خوش و پر خمار بادا

در زاہدے شکستم بدعا نمود نفریں
کہ برو کہ روزگارت ہمہ بیقرار بادا

نہ قرار ماند نہ دل بدعائے او زیارے
کہ بخون ماست تشنہ کہ خدایش یار بادا

تن من بماہ ماند کہ ز عشق می گدازد
دل من چوں چنگ زہرہ کہ گسستہ تار بادا

بگداز ماہ منگر بہ گسستگی زہرہ
تو حلاوت غمش بیں کہ یکے ہزار بادا

چہ عروسیست در جاں کہ جہان ز عکس رویش
چو دو دست نو عروساں تر و پر نگار بادا

بعذار جسم منگر کہ بپوسد و بریزد
بعذار جاں نگر کو خوش و خوشگوار بادا

تن تیرہ ہمچو زاغے دو جہاں تن زمستاں
کہ برغم ایں دو ناخوش ابدا بہار بادا

کہ قوام ایں دو ناخوش بچہار عنصر آمد
کہ قوام بندگانت بجز ایں چہار بادا

جامی

ترا اے نازنیں ہر سو ز دلہا صد سپہ بادا
بہر جا بگذری صد جاں بپا کت خاک رہ بادا

ہمی ترسم شود آزردہ آں تن ورنہ می گفتم
ترا ہر شب درون دیدۂ من جایگہ بادا

ز حکم عقل می بخشد فراغت عشق تو مارا
ہمیشہ عشق تو در کشور دل بادشہ بادا

سیہ رو خواندیم زاں موجب سرخروئی شد
سر موئے اگر گویم خطا رویم سیہ بادا

طفیل دیگراں باشد کہ یابم لذت تیغت
ہمیشہ خوئی تو خونریزی بیگنہ ادا

کلہ کج کردہ می تازی سمند و خلق می گویند
خدا ہموارہ یارا ایں سوار کج کلہ بادا

دل جامی کہ شد بتخانہ از مہر بتے چوں تو
نہ در وے فکر مسجد نہ ہوائے خانقہ بادا

جامی کے تمام اشعار کمال غزلگوئی کی ایک عمدہ مثال پیش کر رہے ہیں صرف آخر شعر جسمیں ذوق صوفیانہ نمایاں ہے

عاشقانہ دونوں پایا جاتا ہے، حذف کر دیا جائے، تو غزل خسرو، عرفی، حافظ وغیرہ کی بہترین غزلوں سے ملجاتی ہے، مولانا رومی "بگذرا زماہ منگر بہ گسستگی زہرہ" تک تو غزلگوئی کے اعلیٰ رنگ میں کہتے چلے آئے ہیں اس کے بعد فوراً ہی مثنوی کی سی خصوصیت آگئی ہے، کہ بطور نتیجہ، مواعظ و حکم کی طرف دماغ ٹوٹ گیا ہے، "چہ عروسیست درجان کہ جہاں زعکس رویش" نے ہر چند سادگی بیان کو کھو دیا، دماغ ایک گہرے مسئلہ بدء خلق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، پھر بھی کلام او رحسن او رقابل داد ہے، "چو دو دست نوعروساں تر و پرنگار بادا" کی تمثیل نے پہلے مصرعہ کی دقت معنوی کا بدل کر کے بیان میں حلاوت پیدا کر دی ہے، اس کے بعد اخلاق و مواعظ کا گہرا اثر ہے جسے صنف غزلگوئی میں شامل کرنا ہی میرے نزدیک اصول کے خلاف ہے:-

رومی

داود گفت اے بادشا چوں بے نیازی تو زما
حکمت چہ بود آخر بگو در خلقت ہر دو سرا
حق گفتش اے مرد زماں گنجے بدم من در نہاں
جستم کہ تا پیدا شود آں گنج احسان و عطا
آئینہ کردم عیاں رویش دل و پشتش جہاں
پشتش بود بہتر ز رو گر تو ندانی روئے را
چوں کاہ جفت گل بود آئینہ کے مقبل بود
چوں کہ جدا کردی ز گل آئینہ گردد با صفا
شیرہ نگردد ہی اگر در خم نہ جوشد مدتی
خواہی کہ دل روشن شود اندک عمل باید ترا
بہر تواضع بر خرے بنشست عیسیٰ اے پسر
ورنہ سواری کے کند بر پشت خر باد صبا
اے روح اندر جستجو سر ساز ہمچوں آب جو
دے عقل بہر آں بقا دائم برو در راہ فنا
چنداں ہمی کن یاد حق کز خود فراموشت شود
تا محو در مدعو شوی بے ریب داعی و دعا

جامی

یا من بدا جمالک فی کل ما بدا
بادا ہزار جان مقدس ترا فدا
می نالم از جدائی تو دم بدم چو نے
ویں طرفہ تر کہ از تو نیم یک نفس جدا
عشقت و بس کہ در دو جہاں جلوہ می کند
گاہ از لباس شاہ گہ از کسوت گدا
یک صوت بر دو گونہ ہمی آیدت بگوش
گاہے ندا ہمیش نام و گہ صدا
برخیز ساقیا بہ کرم جرعہ بریز
بر عاشقان غم زدہ زاں جام غم زدہ
زاں جام خاص کز خودیم چوں دہد خلاص
در دیدہ شہود نماند بجز خدا
جامی رہ ہدی بجز از غیر عشق نیست
گفتیم والسلام علی تابع الہدی

جامی کے یہاں خالص مولویانہ رنگ ہے، رومی کے یہاں صوفیانہ "حقیقۃً" دونوں کلام معیار غزلگوئی سے جدا واقع ہوئے ہیں، ہاں یہ بات البتہ ہے کہ غزل ہی کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے، جامی کے یہاں ایک نظمیہ حمد ہے رومی کے یہاں تصوف کے ایک خاص مسئلہ "تصفیہ قلب"

کے متعلق تسلسل مضامین نے، ہمارے ملک کے فخر زماں ادیب علامہ شبلی مرحوم نے تسلسل مضامین کو مستحسن قرار دیا ہے، میرے ناقص خیال میں تسلسل کے لئے مثنویاں اور قصاید زیادہ موزوں ہیں، غزلیات میں ہر شعر کو مستقل بالذات، اور انفرادی طور پر معنی خیز ہونا چاہیے، رومی کی غزل جیسے میں نے ”چوں گوہر جدا کردی زنگ آئینہ گردد با صفا“ کے بعد سے چند اشعار حذف کر دیئے ہیں تاہم اس پوری غزل میں مسلسل پند و موعظت، اور صوفیانہ تخیل پایا جاتا ہے، پہلے خلقت کائنات کا سبب بتا گیا ہے، اس کے بعد ”حقیقت دل“ اور عالم مادی پر روشنی ڈالی گئی ہے، سابق الذکر کو آئینہ کا رخ اور ثانی الذکر کو پشت آئینہ کہا گیا، اس کے بعد ”تصفیہ قلب“ کے اسرار بتائے گئے ہیں اور مثال دی گئی ہے کہ جس طرح ایک آئینہ کی پشت پر صور تو کے انعکاس کے لئے مٹی لگا دی جائے، اور مٹی میں خس و خاشاک بھی شامل ہو تو آئینہ صاف و شفاف نہو گا، بلکہ اس کے رخ پر برا اثر پڑیگا، اسی طرح جسم جبتک مادیت اور نفسانیت کی آلودگیوں سے ملوث رہیگا، صرف یہی نہیں کہ آئینہ دل پر انعکاس حقایق بلکہ دل خود اپنے اصل کمال پر قایم نہ رہیگا۔ اس کے بعد مجاہدہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کے لئے ”شیرہ نہ گردد می اگر در خم نہ جوشد مدتی“ کی ایک نفیس تمثیل دی گئی ہے، پند و موعظت کرتے کرتے مولانا خود جذبہ میں آ گئے، اور اب بے اختیارانہ ”چنداں ہمی کن یاد حق کز خود فراموشت شود“ اور پھر اپنے رنگ فنافی اللہ اور محویت الٰہی میں ”تا محو در مدعو شوی“ کہہ بیٹھے اور یہیں تک بس نہیں کیا ”بے ریب داعی و دعا“ کا بھی فقرہ بڑھا دیا جو محویت الٰہیہ کی آخری منزل ہے، یعنی جہاں طالب کو نہ اپنی فکر رہتی ہے، نہ دعا کا احساس جسے اصطلاح تصوف میں فنا ر الفنا کہتے ہیں۔

حافظ اور خسرو غزلیات کے میدان میں اپنی آپ نظیر ہیں، اس میں شک نہیں کہ انکی غزلیں عشقیہ شاعری کے حدود سے متجاوز بھی ہیں چنانچہ خواجہ حافظ کی تمام غزلیات پر ایک سرسری نظر ڈال کر انہیں تین عنوان کے ماتحت رکھ سکتے ہیں، رندانہ خمریات، عشقیہ، صوفیانہ اسی طرح جناب خسرو کے کلام میں مواعظ و حکم اور تصوف کا رنگ بھی ہے لیکن کم، آپکی غزلیں گویا عشقیات کی شرح ہیں، حافظ کی غزلیات کا اکثر حصہ عشقیہ شاعری کی بہترین مثالیں پیش کرتا ہے۔ بیتابی خیال، جوش کلام اور روانی بیان میں غزلیات کے اندر حافظ کا کوئی ہمسر نہیں، اردو میں مرزا غالب اور مومن خاں کے کلام میں البتہ یہ پرتو موجود ہے۔

جناب خسرو کی اکثر غزلیں نہایت سلیس، سادہ اور پاکیزہ ہیں، ہر چند آپ کے کلام میں حافظ کی سی ولولہ انگیزی نہیں پائی جاتی لیکن جہاں آپ رموز عشقیہ بیان کرتے ہیں، وہاں روزمرہ کے واقعات کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، کوئی معنوی دقیقہ سنجی، لفظی نزاکت یا نظری و فکری باریکی نہیں پائی جاتی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپکی غزلیں ادھر زبان سے ادا ہوئیں ادھر قلب کیفیات سے لذت آشنا ہوا۔

خواجہ حافظ کا صوفیانہ طرز

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست ‌ ‌ ‌ سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست
سرم بہ دنیا و عقبیٰ فرو نمی آید ‌ ‌ ‌ تبارک اللہ ازیں فتنہا کہ در سر ماست
درا ندرون من خستہ دل ندانم کیست ‌ ‌ ‌ کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست
دلم ز پردہ برون شد کجائی اے مطرب ‌ ‌ ‌ بنال ہاں کہ ازیں پردہ کار ما بنواست

مرا بکار جہاں ہرگز التفات نبود
رُخ تو در نظر من چنیں خوشش آراست

نخفتہ ام بخیالے کہ می پزم شبہا
خمار صد شبہ دارم شرابخانہ کجاست

چنیں کہ صومعہ آلودہ شد بخون دلم،
گرم بہ بادہ بشوئید حق بدست شماست

از آں بدیر مغانم عزیز می دارند
کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دل ماست

چہ ساز بود کہ بنواخت مطرب عشاق
کہ رفت عمر و ہنوزم دماغ پر ز صداست

خمار عشق تو دیشب در اندرونم بود،
کجاست وقت عبادت چہ وقت جائے دعاست

ندائے عشق تو دوشم در اندرون دادند
فضائے سینہ حافظ ہنوز پر ز صداست

یہ اسلوب بیان حافظ کی غزلیات میں بہتیرے مقامات کے اندر موجود ہے، "رخ تو در نظر من چنیں خوشش آراست" کے تخیل سے جو وحدۃ الوجود کی ایک عمدہ مثال ہے، اور پھر "کار جہاں" سے بے التفاتی کے اظہار پر کلام میں رومی کے خیالات کی روح آگئی ہے۔ "آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دل ماست" ہم مثل حبًا للہ کی ترجمانی ہے۔

رندانہ شاعری کے متعلق بھی آپ کا کلام کثیر تعداد میں پایا جاتا ہے، فرماتے ہیں:۔

روزگاریست کہ سودائے بتاں دین من است
غم ایں کار نشاط دل غمگین من است

اور پھر جہاں مے اور میکشی کا تذکرہ ہے، وہاں نہ پوچھئے کس قدر صاف گوئی اور بیباکی سے آپ اپنے جذبات کا اظہار کر گئے ہیں:۔

اساس توبہ کہ در محکمی چوں سنگ نمود
بہیں کہ جام زجاجی چگونہ اش بشکست

عشقیہ شاعری کے تو گویا آپ بادشاہ تھے، خسرو دہلوی کا کلام بھی سراپا افسانۂ عشق ہے، حافظ اور خسرو میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ حافظ کے یہاں ولولۂ شوق اور وفور تمنا پایا جاتا ہے، خسرو کا کلام ایک عاشق ناکام کا افسانۂ محبت معلوم ہوتا ہے، خسرو اور حافظ کا یہ ایک ایسا ناقابل رد امتیاز ہے جسے ہر سخن فہم ان کے دواوین کا مطالعہ کرنے کے بعد سمجھ لیگا۔

خمریات یا رندانہ کلام کے متعلق آپ کی ایک بہترین غزل یہ ہے:۔

رندانہ کلام

زلف آشفتہ و خوی کردہ و خنداں لب و مست
پیرہن چاک و غزل خواں و صراحی در دست

نرگسش عربدہ جوی و لبش افسوس کناں
نیم شب مست بہ بالیں من آمد بنشست

سر فرا گوش من آورد بہ آواز حزیں
گفت کاے عاشق شوریدۂ من خوابت ہست

عاشقے را کہ چنیں بادۂ شبگیر دہند
کافر عشق بود گر نبود بادہ پرست

برو اے زاہد و بر دُرد کشاں خردہ مگیر
کہ ندادند جز ایں تحفہ بما روز الست

آنچہ او ریخت بہ پیمانۂ ما نوشیدیم
اگر از خمر بہشت است وگر از بادۂ مست

خندہ جام می و زلف گرہ گیر نگار　　اے بسا توبہ کہ چوں توبہ حافظ بشکست

ارادتمند حضرات نے اس کی بھی صوفیانہ تاویلیں کرنی چاہیں نہیں معلوم نگار کی سیہ مستیاں جو دکھائی گئی ہیں وہ تصوف کے حسنِ ازلی یا بہ الفاظ دیگر کردگار عالم پر کیونکر منطبق ہو سکتی ہیں، مست حافظ تو جنون شباب اور روح نشاط کا ایک ابدی پیام دے گئے، لیکن ارباب ارادت کی چابکدستیوں نے اس کی تاویل کر کے حافظ کو بھی ارباب ظواہر سے ایک نہایت شوخ اور بے باک صوفی کا لقب دلا دیا حالانکہ اسے نہ ذوق تصوف سے تعبیر کر سکتے ہیں، نہ اس میں حافظ کی شوخی کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ سیدھی بات ہے، جو معنی ظاہر الفاظ سے پیدا ہوتے ہیں وہی خواجہ صاحب کا مقصود تھا۔ اور اسی نشہ میں انہوں نے لکھا بھی ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ حقیقیات کی لذت آگینیوں کے بجائے تصورات کی نشاط انگیزیوں سے سرشار ہوں۔

عشقیہ طرز: عشقیہ شاعری کے متعلق آپ کی وہ غزل نہایت اثر آفریں ہے، جس کے دو اشعار یہ ہیں:۔

رسم عاشق کشی و شیوۂ شہر آشوبی　　جامہ بود کہ بر قامت او دوختہ بود

کفر زلفش رہ دیں می زد و آں سنگیں دل　　در رہش مشعلہ از چہرہ برافروختہ بود

عرفی کی غزلیات میں دیر و حرم کے افسانوں کی تکرار اسی طرح پائی جاتی ہے، جس طرح شراب و صراحی، خرقہ و مصلا فروشی کے مضامین خواجہ حافظ کے کلام میں تقیمی حیثیت رکھتے ہیں، خواجہ سلمان ساوجی جس طرح قصیدہ میں ایک نازک خیال، لطیف البیان اور سلیس گو شاعر گذرے ہیں غزلیات میں بھی آپ کا کمال کم نہیں نظر آتا ہے آپکی غزلوں میں روانی اور عذوبت بکثرت پائی جاتی ہے، فرماتے ہیں:۔

شبہائے فراقت را آخر سحرے باشد　　ویں نالۂ شبہا را روزے اثرے باشد

از دیدہ اگر آبے خواہیم بصد گریہ　　آبے ندہد مارا کان بے جگرے باشد

درد فراق کی اچھی تصریح کی ہے، اور پھر تسکین قلب کے لئے مناظر فطرت سے استدلال بھی نہایت عمدہ ہے، ہر شب کے بعد سحر کا تلازم ناگزیر ہے، دوسرے شعر میں گویا عضویات اور نفسیات کا عام مسئلہ پیش کر دیا ہے کہ جگر کی درستگی پر جذبات کے تہیج کا مدار ہے، جب جگر ہی ندارد ہے، تو دیدۂ پُر حسرت سے تمنائے اشک ریزی کے پورے ہونے کی گنجائش ہی کہاں، اس کے بعد ایک نہایت ہی اثر آفریں خیال پیش کرتے ہیں:۔

تنہا نہ منم خاکت کز خاک سر کویت　　ہر گرد کہ برخیزد صاحب نظرے باشد

یہ تخیل خیام کے کلام کی خصوصیت ہے، وہی اپنی رباعیوں میں باربار یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ صراحی کا جو دستہ ہے، وہ شاید کسی شاعر کی خاک کا بنا ہوا ہے، جو اپنا ہاتھ محبوب کے گردن نازک میں آویزاں رکھا کرتا تھا، جام کو جگر عاشق کہا ہے، حزیں کا ایک شعر بھی اس تخیل کی انتہائی پرواز کا نتیجہ ہے۔ فرماتے ہیں:۔

در میکدہ خاکم را پیمانہ کنی یارب　　شاید دل حسرت کش لب را بہ لبے دارد

کلام حزیں کے وہ ہیجان پیدا کرنے والے تخیلات جنہوں نے مجھے ان سطور کے لکھنے پر آمادہ کیا ہے، ان میں ممدوح کا یہ ایک شعر بھی ہے۔

ایک ناکام محبت جس طرح مرنے کے بعد "پیمانۂ میکدہ" بننے کی دعائیں کر رہا ہے، کیفیت سے خالی نہیں، اور وہ صرف اتنی سی امید پر کہ زندگی میں محبوب کے لب سے لب نہ مل سکا، میری خاک کا جب کاسہ بنایا جائیگا تو اس میں میرے لب کے اجزا بھی ضرور شامل ہوں گے، شاید اس طور سے "دل حسرت کش" کو پیالۂ شراب بنکر معشوق کے لب سے مس ہو جانے کا شرف حاصل ہو جائے، جذبات کا طوفان اور شوق کی جو وسعت اس ایک شعر میں پائی جاتی ہے، متعدد سطور میں نہیں پیدا ہو سکتی، اور لطف یہ کہ بیان میں سلاست، اور خیال میں روانی بھی ہے۔

ماخذ شیخ علی حزیں کی شاعری اور کمالات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے حالات زندگی بھی بیان کر دیئے جائیں، خوش قسمتی سے شیخ نے خود ہی اپنے حالات زندگی جمع کر دیئے ہیں جو انکی کلیات کے ابتدائی حصہ میں بصورت "تذکرہ" پائے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ جو واقعات خود شیخ نے لکھے ہیں ان کے لئے کسی دوسرے تذکرہ سے مدد لینا کوئی کارآمد شے نہیں، آپ نے یہ تذکرہ ۱۱۵۴ھ میں لکھا۔ بقیہ حالات کی فراہمی اور مضمون کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی ہے، اسکی تفصیل تتمہ میں کر دی گئی ہے۔

نام و نسب اور بعض خاندانی حالات شیخ کا اصل نام محمد تھا "علی" کہکر لوگ پکارا کرتے تھے، لہذا ہندوستان میں محمد علی کے نام سے مشہور ہو گئے، اگر شیخ کا یہ تذکرہ نہ ہوتا، تو متاخرین میں آپ کے اصل نام کے متعلق بھی اختلاف ہوتا، شیخ نے خود ہی اس کا فیصلہ کر دیا ہے، "وانا المسمّیٰ بموھب المواھب محمد الملقب بعلی بن ابی طالب"

شیخ نے پندرہ پشت اپنے اجداد کے اسماء درج کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

ابی طالب بن عبداللہ، بن اسمٰعیل، بن اسحٰق، بن نورالدین محمد بن شہاب الدین علی، بن علی بن یعقوب بن عبدالواحد بن شمس الدین محمد بن احمد بن محمد بن جمال الدین علی بن شیخ الاجل قدوۃ العارفین تاج الدین ابراہیم المعروف بہ زاہد الجیلانی قدس سرہٗ۔

اپنے اجداد میں سے بزرگوں کا مختصر تذکرہ بھی لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ شیخ علی بن عطاء اللہ اپنے زمانہ کے ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں۔ یہاں تک کہ گیلان کا بادشاہ خان احمد خاں آپ کی نہایت عزت کرتا اور بعض اوقات علمی استفادہ بھی کرتا، دارالسلطنت قزوین میں شیخ جلیل بہاؤالدین محمد عاملی (جن کی کشکول کا ایک نہایت عمدہ فارسی قلمی نسخہ جو عربی کا ترجمہ ہے، خاکسار کے پاس بھی ہے) کے ساتھ آپ کی گہری محبت تھی، چنانچہ شیخ علی بن عطاء اللہ نے حدیث معراج کی شرح میں جو کتاب لکھی ہے، اس کے مقالہ افتتاحیہ میں شیخ بہاؤالدین محمد عاملی کا بھی تذکرہ کیا ہے، اس کے علاوہ آپ کی چند تصنیفات ہیں، جن میں کلیات قانون بوعلی سینا کی فارسی شرح ہے، جو آپ نے خان احمد خاں کی فرمایش سے لکھی، اثبات واجب الوجود کے متعلق ایک رسالہ لکھا، جس سے آپ کا معیار دانش متعین کیا جا سکتا ہے، آپ کا ایک رسالہ حل شبہ جذر اصم کے متعلق بھی ہے، اور مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ان دونوں رسائل کا قلمی نسخہ شیخ علی حزیں نے، اپنے والد کے کتبخانہ میں دیکھا تھا، ان کے علاوہ فلسفہ کے متعلق بھی آپ کی تصنیفات پائی جاتی تھیں جن میں فصوص فارابی پر ایک مبسوط حاشیہ ہے، آپ نے امیر فخرالدین اسماکی استرآبادی کے حلقہ میں تکمیل علوم کی، شعر و سخن کا بھی ذوق رکھتے تھے، "وحدت" تخلص تھا، آپکے کمال کے متعلق خود شیخ حزیں کی رائے ہے:-

سخنان عاشقانہ اش در کیفیت وحسن بلاغت بے نظیر افتادہ

دو ہزار بیت کا ایک دیوان مرتب کیا تھا، جس میں یہ غزلیں بھی ہیں :۔

خوب است محبت اثرے داشتہ باشد — معشوق ز عاشق خبرے داشتہ باشد

دل رخت بر آتشکدۂ عشق و نیامد — می آمد اگر بال و پرے داشتہ باشد

مردیم ز بس ثابت و سیارہ شمردیم — آیا شب ہجران سحرے داشتہ باشد

آپ کے صرف ایک صاحبزادے ہوئے جنکا نام عبداللہ تھا، یہ ایک متقی اور گوشہ گیر شخص تھے، جو موروثی جائداد تھی اس میں سے قلیل حصہ پر قناعت کرتے، اور بقیہ محتاجوں اور دوستوں میں تقسیم کر دیتے تھے، شیخ عبداللہ کے تین بیٹے ہوئے، عطاء اللہ، ابوطالب و ابراہیم، عطاء اللہ فقہ اور حدیث میں اپنے ملک کے علامہ تھے، زہد و ریاضت بھی اعلیٰ درجہ پر تھی آپ نے وسط عمر میں انتقال کیا، سب سے چھوٹے صاحبزادہ شیخ ابراہیم ایک ذہین اور بلند حوصلہ شخص تھے، انہوں نے علوم متداولہ حاصل کئے، اور اپنے زمانہ کے ایک بڑے شخص ہوئے، آپ کو خوشنویسی میں بھی کمال تھا، چنانچہ سات خط لکھنا جانتے تھے، شیخ حزیں فرماتے ہیں، ایک قرآن مجید مترجم لکھ کر میرے والد کی خدمت میں بمقام اصفہان بھیجا تھا، اصفہان کے خوشنویس پاکیزگی خط پر تعجب کرتے تھے، آپ کو انشا پردازی میں بھی مہارت تھی، ذوق شعر گوئی بھی رکھتے تھے، آپکی رباعی ہے :۔

بادہ خون جگر ماست ز مینا مطلب — گوہر از چشم تر ماست ز دریا مطلب

پئے لیلی نتواں گشت چو مجنوں در دشت — آنچہ در سینہ تواں یافت بصحرا مطلب

شیخ نے جس والہانہ ارادت، اور پرستارانہ جوش میں اپنے قابل فخر والد کے کمالات کا تذکرہ کیا ہے، انہیں دیکھنے کے بعد کم از کم اتنا سبق ضرور ملتا ہے، کہ ایک صالح اور مطیع اولاد کو اپنے بزرگوں کے ساتھ کیسے تعلقات ہوتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ جذبۂ محبت نے شیخ کے کلام سے ایک حد تک مبالغہ کی بو آتی ہے، لیکن یہ صرف شیخ کے جذبات کے متعلق کہہ سکتے ہیں، اپنے والد کے حالات زندگی جو انہوں نے بیان کئے ہیں ان کا تاریخی پہلو نہایت مستند ہے، جس سے ہر ذی شعور انسان کو واقعۃً شیخ ابوطالب کے کمالات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

شیخ ابوطالب بیس برس کی عمر میں جب ایک حد تک تحصیل علوم کر چکے تو عراق کے فاضلوں کی علمی مجالس میں شرکت کرنے کے لئے فاضل ملا حسن شیخ الاسلام گیلانی کی خدمت میں بمقام اصفہان تشریف لائے، استاد العلماء آقا حسن خوانساری کے حلقہ درس میں استفادہ شروع کیا اور مولانا محمد رفیع کی خدمت میں جو رفیعائے یزدی کے نام سے مشہور ہیں، فنون ریاضیہ کی تکمیل کی، مطالعہ و مباحثہ میں ایسا شغف تھا کہ بہت سے طلبہ آپکی تربیت سے اعلیٰ درجہ کے عالم ہو گئے، آپ کے کتب خانہ میں پانچ ہزار جلدوں سے زیادہ کتابیں تھیں، جن میں کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو شروع سے آخر تک آپ کے زیر تصحیح نہ آئی ہو اور اکثر کتابوں پر خود آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا حاشیہ تھا، انیس سو جلدیں ایسی تھیں جن کی نقل کتابت خود ابوطالب نے کی تھی، ان میں تفسیر بیضاوی، قاموس اللغۃ، شرح لمعہ اور حدیث کی کتابیں تھیں بہت اچھے خوشنویس تھے، شیخ کہتے ہیں کہ میرے والد فرماتے تھے کہ جب میں اصفہان میں آیا، تو میرے والد اس خیال سے کہ کہیں میں اصفہان ہی میں بود و باش نہ اختیار کر لوں، خاص خاص ضروریات سے زیادہ مصارف روانہ نہیں کرتے تھے، وہ بھی سال میں کئی مرتبہ کر کے بھیجتے تھے، لہٰذا کتابوں کے خریدنے کی استطاعت نہ تھی اس لئے

میں کتابوں کی نقل کیا کرتا تھا، جب شیخ کے دادا نے انتقال کیا، تو ان کے والد نے اصفہان ہی میں مکان بنالیا، شام کی راہ سے حجاز کا سفر کیا، اور طواف بیت اللہ سے فارغ ہو کر بغداد ہوتے ہوئے اصفہان میں چلے آئے، حاجی عنایت اللہ اصفہانی انہیں بہت دوست رکھتے تھے انہوں نے اپنی لڑکی بیاہ دی، ابوطالب کے چار بیٹے ہوئے جنمیں سب سے بڑے شیخ علی حزیں ہیں، ایک نے بچپن میں انتقال کیا، دو عالم جوانی میں گذر گئے، موت سے سات سال قبل خلوت گزینی کی طرف طبیعت مائل ہوئی، علمی مناظرہ اور درس و تدریس ترک کردیا، حتیٰ کہ گھر کے اسباب معاش کی فکر سے بھی سبکدوش ہو گئے، بعض اوقات کتابوں کا مطالعہ کرتے، اور اکثر رات کو عبادت کرتے اور بیشتر روتے رہتے، یہانتک کہ ۱۱۲۷ھ میں وفات پائی، مرتے وقت شیخ نے وصیت کی جسے انہیں کے الفاظ میں لکھدینا مناسب ہے، فرماتے ہیں :-

چنانکہ مرا خوشنود داشتی، خدائے از تو خوشنود باد، وصیت من بتو انیست کہ ہر چند اوضاع دنیا را بر وفق مرام نہ بینی وزمانہ ناسازگار افتد باید کہ بمنزلت رضا نہی، و تبعیت دو نبالہ روی اختیار نہ کنی، چہ عمر قلیل قابل آن نیست،

شیخ اس وقت تقریباً چوبیس سال کے تھے، بزرگ باپ کی وفات کا مرثیہ کہا:-

سپہر از مرگت اے صاف حقیقت بے صفا گشتہ	نمی ماند بسر کیفیتے مینائے خالی را
کشیدی تا ز من دست نوازش اے چمن پیرا	شل چوں بید مجنوں گشتہ ام آشفتہ حالی را
تو در پیرانہ سر رفتی و من ہم در غمت پیرم	بحسرت می کنم ہر لحظہ یاد خردسالی را
نہاں اے عرش رفعت تا ندیدم در دل خاکت	ندانستم کہ پوشد خاک سافل کوہ عالی را

باپ بیٹے کی گہری محبت اور باہمی خوشنودی کی حقیقت اس واقعہ سے اور بھی واضح ہوتی ہے، کہ ایک مرتبہ شیخ علی حزیں شیراز میں تھے، باپ نے عرصہ سے دیکھا نہ تھا، ایک محبت آمیز خط لکھکر بلایا، جس کے عنوان میں یہ رباعی بھی لکھی تھی :-

در دل ز فراق خستگیہا دارم	در کار ز چرخ بستگیہا دارم
با اینہمہ غم تو نیز پیمان وفا	مشکن کہ جز ایں شکستگیہا دارم

یہ ایک رباعی ہے، یا جادو کوئی اس دل سے پوچھے جسے قدرت نے گیارہ ہی سال کی عمر میں ایک بزرگ سیرت باپ سے ہمیشہ کیلئے جدا کر دیا ہو، شیخ کے واقعہ زندگی سے یہاں ایک ایسی مماثلت پائی جاتی ہے، کہ بے اختیارانہ دل بھر آتا ہے، رباعی نے حزیں پر بیحد اثر کیا اور وہ باپ کی ملاقات کو فی الفور روانہ ہوئے

ولادت و وطن شیخ علی حزیں کی ولادت دوشنبہ کے دن بتاریخ ۲۷ ربیع الاول ۱۱۰۳ھ بمقام اصفہان واقع ہوئی، اسی مناسبت سے آپ "اصفہانی" مشہور ہو گئے، ورنہ شہاب الدین علی کے قبل آپ کے اجداد کا مولد و مسکن شہر استا تھا، شیخ شہاب الدین نے اسے چھوڑ کر لاہجان میں اقامت اختیار کی، لاہجان، گیلان (فارس) کے شہروں میں سے ایک بہت ہی عمدہ شہر ہے،

؎ منین الدین بن عبد العلی جھکاری (ضلع پٹنہ) اعلی اللہ درجاتہ فی الاخرہ

اس کے بعد سے لاہجان آپ کے اجداد کا مولد و مسکن ہو گیا، تذکرہ کے آخر میں شیخ نے خود کو لاہجان ہی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن والد نے اصفہان میں بود و باش اختیار کر لی تھی، اور خود شیخ موصوف وہیں پیدا ہوئے تھے، اس لئے اہل زمانہ نے آپ کو "اصفہانی" کہا اور "لاہجی" بھول گئے۔

تعلیم و تربیت

شیخ کا خاندان ایک علمی خاندان تھا، گھر میں فقہ و حدیث، فلسفہ و حکمت، شعر و ادب کا چرچا تھا، کتابیں بقیں، شیخ کی طبیعت عہد طفولیت ہی سے کسب علوم کی طرف راغب ہوئی، اور اس میں انہیں ایسی لذت ملی، کہ در بدر مارے مارے پھرے، عزیز و اقارب کو چھوڑا، ترک وطن کیا، انتہا یہ کہ تعلق ازدواجی کا خیال بھی ترک کر دیا، جبتک سر پر والد کا سایہ رہا، انہوں نے شادی کے لئے استمزاج کیا، پھر مجبور کیا، لیکن طلب علم کی لذت نے کچھ ایسا محو بنا دیا تھا کہ تاہل کی زندگی کو خیر باد کہا، خود فرماتے ہیں:-

والدین خواستند کہ تاہل اختیار کنم در اں مبالغہ داشتند، و جمعے از اکفار و اعیان خواہش بہ نسبت نمودند

و مرا بہ سبب اشتغال و شوق مفرط بہ علم رضا بہ آں نبود و آں را عایق فرصت و مانع می پنداشتم، و تجرد را بہ فراغ

و آزادگی انسب یافتہ، چنداں کہ جہد نمودند راضی نہ شدم،

چار سال کی عمر میں والد نے ملا شاہ محمد شیرازی سے الف با کی ابتدا کرائی، مولانا موصوف نے بسم اللہ کے بعد تین مرتبہ رب اشرح لی صدری الی آخر یفقھوا قولی کی تلقین کی، حزیں کو دو سال میں لکھنا پڑھنا آ گیا، اسی وقت سے شیخ کی طبیعت نوشت و خواند میں ایسی مشغول ہوئی کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا کام انہیں مرغوب ہی نہیں معلوم ہوتا تھا، اس زمانہ میں انہوں نے فارسی زبان میں نظم و نثر کی بہتیری کتابیں پڑھ ڈالیں، صرف نحو، اور فقہ کی کتابیں شروع کیں اور جلد ہی ختم کیں، منطق میں چند رسالے پڑھ ڈالے، منطق سے طبیعت کو کچھ ایسی مناسبت تھی کہ اس کا خاص شغف رکھنے لگے، آپ کے استاد کو آپ کے شوق اور تیزی ذہن پر تعجب آتا، وہ ہمیشہ دل بڑھاتے رہے، اسی زمانہ میں انہیں شعر و سخن کا بھی ذوق پیدا ہوا، کچھ کہنے لگے، استاد کو خبر ہوئی تو انہوں نے منع کیا، شیخ ابو طالب نے ترک شاعری میں مبالغہ کیا، لیکن شیخ فرماتے ہیں:-

مرا صرف طبیعت یکبارہ ازاں ممکن نبود، بہ چیزیکہ وارد خاطر می شد می نوشتم و پنہاں می داشتم۔

آٹھ برس کی عمر میں باپ نے علم تجوید (قرأۃ) کی تعلیم دلانا شروع کی، شیخ نے دو برس تک مولانا ملک حسین قاری سے اسکی تعلیم پائی، اور اس فن میں کئی رسالے پڑھے، شیخ کو حسن قرأۃ میں ایسا کمال ہوا، کہ لوگ اسے بہت پسند کرتے، اس کے بعد فاضل باپ نے لایق بیٹے کی تعلیم کی طرف خاص طور پر توجہ کی، اور شرح جامی، شرح نظام (شافیہ) تہذیب، شرح ایساغوجی، و شرح شمسیہ، و شرح مطالع (منطق) شرح ہدایہ، حکمۃ العین باحواشی، مختصر تلخیص، تمام مطول، مغنی اللبیب، جعفریہ، مختصر نافع، ارشاد، شرائع الاحکام (فقہ) و من لا یحضرہ الفقیہ (حدیث) و معالم اصول اور چند دوسری کتابیں خود پڑھائیں۔

تخلص حزیں کا انتخاب

شیخ ابھی کم سن ہی تھے کہ ابو طالب اپنے بیٹے کو تربیت و ارشاد کی غرض سے مشہور بزرگ جناب شیخ خلیل اللہ طالقانی کی خدمت میں لے گئے، یہ سلسلہ تربیت تین سال تک جاری رہا، اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کے متعلق شیخ موصوف نے خاص توجہ سے ان کی تربیت شروع کی، شیخ خلیل اللہ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے، انہوں نے حزیں کو شعر گوئی ... کیا ...

بلکہ بعض اوقات انکا کلام سنا کرتے، آپ ہی نے تخلص حزیں کا انتخاب کیا۔

عشق و محبت شعرائے فارس کے واقعات زندگی میں ان کا فسانہ عشق ایک عام واقعہ ہے، جیسے مقدمہ میں لکھا جا چکا ہے، اہل عقل سلیم یہ نتیجہ نکالتی ہے، کہ ہر انسانی زندگی میں حسن و عشق کے کرامات کا ظہور بھی ایک ناگزیر مسئلہ ہے، شعرا دو بار نے سخن سنجیوں میں اپنے دل کی بھڑاس نکالی، عام قلوب، اکثر شاہدان لب بام کی عشوہ طراز نگاہوں کے گھائل ہوکر لطافت عشقیہ کھو بیٹھے، اور بعض سنجیدہ دماغ سیلاب کے عارضی جوش سے ڈگمگاتے تو ضرور ہیں، لیکن مذہب و معاشرت کے قیود نے شمع کی طرح سوزاں رکھا، نتیجہ یہ نکلا کہ انکی شورش بھی کچھ زیادہ پائدار رہی اور انہیں لذت درد کا فیضان بھی عرصہ تک پہونچتا رہا، شیخ کو بھی عہد شباب سے دوچار ہونا تھا، چونکہ خاندانی تربیت، بزرگوں کی صحبت اسلوم کی برکتیں تھیں، عشق لطیف صورتوں میں جلوہ گر ہوا، فرماتے ہیں:-

عندلیب دل شوریدہ حال بگلبانگ بلند ایں پردہ سرایدن گرفت،

فاش می گویم واز گفتہ خود دل شادم — بندۂ عشقم واز ہر دو جہاں آزادم

نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار — چکنم حرف دگر یاد نداد استادم

ایک رات دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک باغ میں گئے، مولانا علی کوساری اصفہانی ایک مشہور خطاط (خوشنویس) تھے، انہیں موسیقی کا بھی خاص ذوق تھا، آپ کی آواز حضرت داؤدؑ کی طرح ایک معجزانہ پہلو رکھتی تھی، وہ بھی شریک جلسہ تھے، انہوں نے "نیم شبی" راگ چھیڑکر یہ بیت پڑھنا شروع کیا:-

امشب بیا تا در چمن سازیم پر پیمانہ را — تو شمع و گل اد داغ کن من بلبل پروانہ را

حزیں کا دل ایک جذبہ لطیف سے مانوس ہو چکا تھا حسن محبوب کے تمام نقوش نظر کے سامنے آگئے دل میں ٹیس شروع ہوئی، لذت درد نے قلب کو بےچین کرنا شروع کیا، شیخ کو ایسا حال آیا کہ خود فرماتے ہیں:-

(ہزار بار کالبد عنصری را سلطان روح تہی ساختہ باشد۔

شیخ نے فتنہ محبت کا ایک اور نہایت ہی عجیب واقعہ لکھا ہے، جسے خود انہوں نے دیکھا تھا، فرماتے ہیں ایک دن شیراز میں ایک مقام پر بیٹھا ہوا تھا، دیکھا کہ ایک آدمی سراپا برہنہ جا رہا ہے، اس کے دونوں ہاتھوں میں چھری تھی، پوری قوت سے یہ چھری وہ اپنے جسم پر مارا کرتا، بدن سے خون جاری تھا، اس کے سر، جسم، اور منھ پر بہتیرے گہرے زخم تھے، جب وہ چھری مار کر اپنے بدن کو زخمی کرتا، تو اس کے اوضاع سے معلوم ہوتا، کہ اسے خاص راحت و لذت ملتی ہے، منھ سے وہ کچھ نہیں کہتا تھا، اسکی حالت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس کا نام اسمٰعیل ہے کسی پر عاشق تھا اس نے انتقال کیا، اسے جب خبر ہوئی تو بیہوش ہوگیا، ہوش آیا تو مجنوں کیطرح کپڑے پھاڑ کر اپنی یہ حالت بنائی، کئی روز ہوئے کہ اسی حالت میں ہے، میں نے کہا اس کے ہاتھ سے لوگ چھری کیوں نہیں لے لیتے ہیں، لوگوں نے کہا کہ جب کئی آدمیوں نے ملکر اسے پکڑا، اور چھری چھین لینے کا ارادہ کیا تو پہلے اس نے عجز کیا، پھر اس کی ہیئت سے ایسا معلوم ہوا کہ اگر چھری اس سے چھین لی گئی، تو فوراً اس کا دم نکل جائے گا، تب سے حالات کے تفحص میں رہنے لگا، تین دن کے بعد شہر کے باہر ایک چھری اس کے پہلو پر لگی کہ آنتیں کٹ گئیں اور وہ مرگیا، شیخ فرماتے ہیں:-

آنانکہ غم تو برگزیدند ہمہ ۔۔۔ در کوچۂ عشق آرمیدند ہمہ
در معرکۂ دو کون فتح عشق است ۔۔۔ با آنکہ سپاہ او شہید اند ہمہ

عرفی ایک ایسا مجسمہ محبت تھا کہ جس عشقیہ جادو بیانی سے حزیں جیسے نازک خیال اور کامل فن شاعری کو بھی استفادہ کرنا پڑا، یہ رباعی اس حقیقت کو واضح کر دیتی ہے، ہر چند شیخ صاحب نے سہواً عرفی کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

بدیہہ گوئی

بدیہہ گوئی، کمال سخن سنجی، اور انتہائے جودت ذہن کی دلیل ہے، اکابر شعرائے فارس میں بدیہہ گوئی کی چند مثالیں پائی جاتی ہیں جن میں سعدی اور خسرو کے بھی کلام ہیں، سعدی نے گلستان میں اس کا تذکرہ بھی کر دیا ہے، چنانچہ ایک مہ جبین کو جہاں ضرب زیدٌ عمرٌ کان متعدی عمرٌ پڑھتے دیکھا، وہاں عربی و فارسی میں فی البدیہہ اشعار کہہ ڈالے، پیکر حسن نے پوچھا کہ آپ کا دولت خانہ، بولے شیراز، سعدی کی کافی شہرت ہو چکی تھی، ”از سخنان سعدی چہ داری“ کا سوال ہوا، بھلا شیخ جیسے شخص وقت پر کیوں چوکتے، فوراً عربی میں یہ کہا:۔

بلیت بنحوی یصول مغاضبا ۔۔۔ علے کزید فی مقابلۃ العمر
علی جر ذیل لیس یرفع رأسہ ۔۔۔ وھل یستقیم الرفع من عامل الجر

حسن تو بارگاہ قدرت کا عطیہ تھا، کچھ کمسنی، کچھ علم کا ابتدائی زینہ، عربی کا مجازی رنگ سمجھ میں نہ آیا، فرمایش ہوئی فارسی کلام سناؤ، سعدی پر نگاہ ناز تو کام کر ہی چکی تھی، فوراً کہا:۔

طبع ترا تا ہوس نحو کرد ۔۔۔ صورت عقل از دل ما محو کرد،
اے دل عشاق بدام تو صید ۔۔۔ ما بتو مشغول و تو با عمرو زید،

خسرو دہلوی سے جب سلطان محمد خاں شہید نے پوچھا کہ حسن کے ساتھ تمہاری محبت حقیقی ہے، یا ہوا پرستی کا نتیجہ ہے؟ امیر نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی:۔

عشق آمد و شد چوں خونم اندر رگ و پوست ۔۔۔ تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست
اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت ۔۔۔ نامیست مرا ز من و باقی ہمہ اوست

(تاریخ فرشتہ)

ابو القاسم مرزا، مرزا کامران کے اکلوتے بیٹے تھے، جلال الدین اکبر نے انہیں قلعہ گوالیار میں قید کر دیا تھا، جب خان زماں خاں کی مہم پر جانے لگا، تو غریب ابو القاسم کا وجود مصالح ملکی کے منافی جانکر قتل کا حکم دیا، جلاد گردن مارنے چلا، تو مرزا نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا،

فلک بکشتن من اینقدر شتاب مکن ۔۔۔ چو خواہم از ستمت مرد اضطراب مکن

جس قدر درد انگیز احساس پیدا کرتا ہے، اور واقعات ماضیہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے، ایک شعور لطیف اچھی طرح محسوس کر لیتا ہے، کامران کی ناکامی، دنیا سے سفر، خاندان کا انتشار، اپنی قید کی بلا انگیزیاں، اکلوتے بیٹے نے سب کچھ دیکھیں، یہی کیا کم تھیں کہ غریب ابو القاسم کو زندگی سے سبکدوش کر دیں ”چو خواہم از ستمت مرد“ میں یہی خیالات ادا کئے گئے ہیں (فرشتہ)

لیکن شیخ حزیں کی بدیہہ گوئی اسقدر زبردست قوت تخیل اور حاضر دماغی کا پتہ بتاتی ہے کہ تعجب آتا ہے، ایک دن شیخ ابو طالب کی

مجلس میں ایک شخص نے ملا محتشم کاشی کا یہ شعر پڑھا،

اے قامت بلند قداں در کمند تو رعنائی آفریدہ قد بلند تو

لوگوں نے بڑی تعریف کی، ابوطالب نے کہا، ملا محتشم کا دیوان میرے زیر مطالعہ رہا ہے، استاد سخن تھے، لیکن ان کا کلام بے نمک ہے۔ اور اسمیں اتنی حلاوت نہیں پائی جاتی کہ بے نمکی کی تلافی ہو جائے چنانچہ اسی شعر سے ظاہر ہے، شعر کا دوسرا مصرعہ درست ہے لیکن پہلا مصرعہ طبیعت سے مانوس نہیں ہوتا ہے، کیونکہ قامت کو کمند میں پھنسا ہوا نہیں کہتے، اگر لفظ قامت نہ ہوتا، اور صرف "اے کہ بلند قداں در کمند تو" ہوتا تو کلام پسندیدہ ہوتا، حاضرین مجلس نے تصدیق کی، اس کے بعد شیخ حزیں کیطرف متوجہ ہوئے، اور کہا میں جانتا ہوں کہ ابھی تک تم شعر گوئی سے باز نہیں آئے ہو اگر اس شعر پر شعر کہہ سکتے ہو تو کہو، شیخ نے فوراً ایک مطلع موزوں کر لیا، جب دوبارہ باپ کی نظر پڑی، تو انہیں پتہ چلا کہ شیخ نے کچھ کہا، بولے اگر موزوں کر چکے ہو تو کہو، شرم نہ کرو شیخ حزیں نے پڑھا:-

صید از حرم کشد خم جعد بلند تو فریاد از تطاول مشکین کمند تو

حاضرین مجلس لوٹ گئے، اور بیحد تعریف کی، وہ اسی حال میں تھے کہ شیخ نے دوسرا شعر پڑھا:-

شد رشک طرہ زاہدنت کوئے عاشقاں بنشیں کہ باد خوردہ جانہا سپند تو

اسوقت شیخ ابوطالب بھی پھڑک اٹھے، اور تحسین کی، حزیں نے تیسرا شعر پڑھا:-

مشکل شدست کار دل از عشق خوش دلم شاید رسد بہ خاطر مشکل پسند تو

اسی طرح تھوڑے تامل میں دو سرا بیت کہا، اور پوری غزل کہہ گئے، حاضرین مجلس نے کہا کہ اس طرز کی بدیہہ گوئی پر اب کوئی قدرت نہیں رکھتا، شیخ ابوطالب نے حزیں کو شعر گوئی کی اجازت دی، لیکن اسقدر کہ وقت ضایع نہو، اور اس غزل کہنے کے صلہ میں اپنا قلمدان عطا کیا۔

سفر ہندوستان

شیخ نے عمر کا بیشتر حصہ سفر ہی میں گزار دیا، فارس کے تمام مشہور بلاد کا سفر کیا، شیراز، لار، شوستر، اصفہان، لاہجان طہران، مازندران، میں عرصہ تک سفر کرتے رہے، پھر ملتان کا سفر کیا، آخر میں ہندوستان آئے اور یہیں رہ گئے، آپ نے اپنے سفر ہند کے سلسلہ میں، عہد محمد شاہی اور واقعہ نادر شاہ پر کافی طور سے روشنی ڈالی ہے، گویا اس عہد کی تاریخی حالات کے لئے تذکرہ حزیں ایک نہایت مستند اور معتبر کتاب ہے، لیکن اس سلسلہ میں آپ نے ہندوستان اور ارباب ہند پر سخت نکتہ چینیاں بھی کی ہیں، ہندوستان کی خاصیت آب و ہوا کو برا بھلا کہا ہے، اور شاہنامہ فردوسی کے چند اشعار بھی دلیل میں لائے ہیں۔ کہ گشتاسپ نے جب ہندوستان پر فوج روانہ کی تو امیر لشکر سے تاکید کر دی، کہ فتح کرنے کے بعد جلد جلد لوٹ آنا، ورنہ وہاں کی خاصیت آب و ہوا فوجیوں کو نکما بنا دے گی، لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ شیخ نے ہندوستان کی شکوہ پردازی میں جو لب و لہجہ اختیار کیا ہے، اسے پیش کروں، اس کے بعد آپ کے الزامات کی حقیقت پر غیر جانبدارانہ تنقید کروں، تاکہ ہندوستان کے مسلمان کم از کم اتنا تو سمجھ لیں کہ غیر ملکی مسلمان اپنے ملک کے کس قدر مداح ہوتے ہیں، اور یہ کہ غیر ملکی اور قومی اعتبار سے کیسی معاندانہ تنقیدیں کیا کرتے ہیں، اور اسوقت انہیں اسلامی اور مذہبی رواداری کا مطلق احساس نہیں ہوتا، کیا ہندوستان کے مسلمان ہنوز غیر ممالک (اسلامیہ) سے خیالی اتحاد، اور لفظی رشتہ جوڑتے رہیں گے، اور ہندوستان کو بائیکاٹ کر کے اسے

ایک محض "مرا بہ منزل جاناں چہ امن و چہ عیش" سمجھکر ایسے برداشتہ خاطر رہا کرینگے کہ صرف "بربند محملہا" کی آوازیں انہیں سنائی دیں، اور فرقہ وارانہ امتیازات اور مذہبی غلو ترک کر کے، ایک ملکی اور قومی (ہندوستانی) سوسائٹی کا تخیل قایم نہ کریں؟

ہندوستان اور اس کے باشندوں پر شیخ نے جس عصبیت کے رنگ الزامات عائد کئے ہیں، انکا مقتضا تو یہی تھا کہ ہر ہندوستانی مسلمان ہندوستان کو اپنا حقیقی نشیمن سمجھے، کیونکہ جنہیں وہ اپنا سمجھتا ہے، وہ انہیں غیر سمجھکر بری طرح ان پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں، اور جنہیں وہ غیر سمجھتے ہیں، وہ تاریخ، معاشرت، اور سب سے بڑھ کر ضروریات زمانہ کے لحاظ سے ان کے نہایت عزیز ہیں۔

دسویں رمضان المبارک ۱۱۴۶ھ کو سفر ہند کی غرض سے شیخ کشتی میں سوار ہوئے جو سندھ کی طرف جا رہا تھا، جہاز ہی میں انگریزی جماعت کا کپتان جب شیخ کے ارادہ سے واقف ہوا تو اس نے آپ کو بہت منع کیا کہ ہندوستان نہ جائیں بلکہ اس نے سفر یورپ کی ترغیب دی، شیخ راضی نہوئے، پہلے آپ شہر تتہ میں اترے، ۱۱۴۶ھ سے ۱۱۵۴ھ تک (جب شیخ یہ تذکرہ لکھ رہے تھے) ہندوستان میں اقامت گزیں رہے، لیکن دلکو سکون نہ تھا فرماتے ہیں:۔

کن این مدت اقامت را در یں مملکت از زندگانی محسوب نداشتہ، ہمانا آغاز رسیدن بہ سواحل ایں ملک انجام عمر و حیات بود، و در یں مدت ہشت سال از انجا تتہ تا بلدہ دہلی کہ معروف بہ شاہجہاں آباد است دیدہ ام و آنچہ از اوصاف، احوال و اوضاع ایں مملکت و ساکنانش شنیدہ و یافتہ بودم ہمہ مطابق نشنیدہ و بہ خاطر خطور مکردہ بود مشاہدہ و معلوم شد۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

بالجملہ دراں بلدہ از بے آبی و بد ہوائی و اوضاع زشت کہ ایں مملکت کرا عرض عام است بے آرام شدم۔

ایک جگہ اور فرماتے ہیں:۔

و اصلا طبع را ملایمت و طاقت بر تحمل اوضاع و اطوار اشخاص ایں دیار نبود

ایک مقام پر اور غیظ و غضب میں لکھتے ہیں:۔

ناچار برخے از قبایح و فضایح احوال و اوصاف ایں دیار کدورت آثار شنعت اطوار نگارش خواہد گرفت

یہ خیالات ہیں جو اس سخت لب و لہجہ میں شیخ نے اپنے تذکرہ میں ہندوستان اور اہل ہندوستان کے متعلق ظاہر کئے ہیں ہمکو ذرا اس کی حقیقت غور کریں، ۱۱۰۳ھ میں شیخ کی ولادت ہوئی ۱۱۴۶ھ تک فارس، مازندران عراق وغیرہ کا سفر کرتے رہے، الغرض ۴۴ برس کی عمر تک دنیا کی لذت سفر سے بہرہ اندوز ہوئے ۱۱۴۶ھ میں ہندوستان آئے ۱۱۸۱ھ بمقام بنارس انتقال کیا، ظاہر ہے کہ ۳۵ سال تک ہندوستان نے مہمان رکھا، تقریباً عمر کا نصف حصہ یہیں گذرا، بہت ممکن ہے شیخ کے یہ خیالات تصنیف تذکرہ ہی کے وقت (۱۱۵۴ھ) تک رہے ہوں بعد میں ان کے خیالات بدلے ہوں، یہ بھی دو حال سے خالی نہیں اگر آپ کے خیالات شروع سے آخر تک ہندوستان اور اس کے باشندوں کے متعلق ویسے قایم رہے، تو پھر زندگی کا نصف حصہ ہند ہی میں گزار دینا چہ معنی دارد، جس ملک سے ایسی نفرت ہو جس کے رہنے والوں کے اوضاع و اطوار آپکے نزدیک

اسقدر ناپسندیدہ ہوں، پھر انہیں کے ساتھ اتنی مدت تک بسر کر دینا حیرت انگیز امر ہے، شیخ نے ہند سے سفر نہ کرنے کا سبب قلب بضاعت، بتایا ہے، لیکن یہ عذر قابل قبول نہیں، یقیناً بعض ایسی ہستیاں بھی ضرور ہوں گی، جو "دامن دل می کشد کہ جا اینجاست" کا مصداق ہوں، اگر یہ واقعہ ہے کہ ۱۱۴۶ھ کے بعد سے ہندوستان، اور اہل ہندوستان نے آپ کے دل و دماغ پر محبت و الفت کا اثر پیدا کرنا شروع کر دیا تھا جس کے باعث ۱۱۸۰ھ تک یہیں رہ گئے تو شیخ پر ایک بڑا الزام یہ رہجاتا ہے، کہ پھر انہوں نے تبدیل خیال کا اظہار کیوں نہ کیا، اگر واقعۃً شیخ کی نفرت، اور کشیدگی شروع سے آخر تک یکساں قایم رہی تو ان کا ۳۴ سالہ استقرار ایک سخت بوالعجبی ہے، بہر حال ہم شیخ کے خیالات کو جو انہوں نے ۱۱۴۶ھ میں ظاہر کئے تھے ۱۱۸۰ھ تک یکساں تصور کرتے ہیں، اور اب غور کرتے ہیں کہ وہ کیا اسباب تھے، جن کی بنا پر شیخ نے ہند اور اہل ہند کو دنیا کے سامنے اس صورت میں پیش کیا ہے، میرے خیال میں اس کے مفصلہ ذیل اسباب تھے، لسانی انقلاب، سیاسی پیچیدگیاں، مذہبی اختلاف۔

لسانی انقلاب تاریخ شاہد ہے کہ اکابر شعرائے فارس ہندوستان میں آئے جو خود نہ آئے انہیں دعوتیں دی گئیں، چنانچہ سعدی، حافظ، انوری، جامی، عرفی، صائب سبھوں نے ہندوستان کی تعریفیں کیں، اور اس دریا کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے، جسے تاریخ فراموش نہیں کر سکتی، آخر شیخ حزیں کے ساتھ کیا خصوصیت تھی، اس کی بڑی وجہ ہندوستان کا وہ انقلاب تھا، جو زبان اور ذوق شعر پر پڑا تھا، ظاہر ہے کہ شیخ کے قیام ہند کے زمانہ میں فارسی شاعری کا وہ چرچہ نہ تھا جو جلال الدین محمد اکبر یا عہد تیموریہ کے ابتدائی فرمانرواؤں کے دور میں تھا، عرفی کامیاب ہوئے، صائب بامراد گئے، حافظ کو تحایف پہونچے، مولانا جامی کو خواجہ محمود گاوان ہدیہ و تحفے بھیجتے رہے، سعدی کو محمد سلطان نے دعوتیں دیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ہندوستان میں شعر و ادب کے اندر فارسی ہی کا رواج تھا، ہر چند شیخ کے زمانہ میں بھی فارسی تصانیف پائی جاتی ہیں لیکن شعر و سخن کے لئے اردو مخصوص ہو گئی تھی، چنانچہ اس وقت اردو شاعری کے بڑے بڑے استاتذہ میر تقی، خواجہ میر درد، مرزا سودا وغیرہ کا زمانہ تھا، عام لوگوں کا رجحان اردو شاعری کی طرف تھا، الغرض اردو ملک کا ذوق عام بن چکی تھی، شیخ کے کمالات سے کسے انکار ہے، لیکن جب ملکی ذوق ہی میں انقلاب ہو چکا تھا تو پھر کمال کی قدر کون کرتا، شاعر تو یوں بھی نازک مزاج ہوتے ہیں ممکن ہے "دعوت شیراز" کا لطف نہ آیا ہو، اور یہی شیخ کے جھلانے کی وجہ ہو گئی ہو، اس شعر سے یہ خیال اور بھی راسخ ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں :-

سواد ہند خاطر خواہ باشد بے کمالاں را نماید خانۂ تاریک روشن چشم عریاں را

جناب آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں کہ شیخ جب دہلی میں آئے تو پوچھا ہندوستان میں کوئی بڑا شاعر بھی ہے، لوگوں نے سودا کا نام لیا، مرزا نے خود ملاقات کی، شیخ نے کلام سننے کی خواہش ظاہر کی، مرزا سودا نے کہا :-

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

آزاد مرحوم نے دو روایتیں بیان کی ہیں، ایک سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ نے کہا "در پوچ گویاں ہند ہیچ نیستی" دوسری روایت بتاتی ہے کہ شیخ نے پوچھا کہ "تڑپے" چہ معنی دارد لوگوں نے کہا کہ طپیدن کو "تڑپنا" کہتے ہیں، شیخ نے زانو پر ہاتھ مار کر کہا مرزا غضب کیا ایک مرغ قبلہ نما تھا اسے بھی نہ چھوڑا، ہندوستان کے متعلق شیخ کی تلخی طبیعت کا مطالعہ کرنے کے بعد نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں روایتیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں ممکن ہے شیخ نے پہلے ہجو یہ خیال ہی ظاہر کیا ہو، پھر مہمان کی خاطر داری، اور مرزا جیسے معزز شخص کے خاطر سے تعریف بھی کر دی ہو،

سیاسی پیچیدگیاں

حزیں جب ہندوستان میں آئے محمد شاہ رنگیلے کا زمانہ تھا، یہ حکومت مغلیہ کا دور انحطاط تھا، بادشاہ سلامت ہی رنگ رلیاں مناتے تھے تو ملک کا انتظام کون کرتا، طرفہ یہ کہ نادر شاہ نے حملہ کردیا، ایک غیر ملکی شخص کی آمد، اور فوراً ہی بیرونی حملہ، نادر شاہ حزیں کا ہموطن تھا، ارباب سیاست نے انہیں مشکوک نگاہوں سے دیکھا ہوگا جسکی ایک جھلک تذکرہ میں بھی پائی جاتی ہے، ایک جگہ اپنے سفر خراسان کا خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> وچوں بیقین می دانستم کہ اوضاع مقتضی ورود نادر شاہ بہ ہندوستان است و بصوبہ کابل در آمدہ بود، اگر حرکت من میسر آمدے ناچار بہمان راہ بودے و طبیعت و بینش اہل ایں دیار مقتضے آنکہ لا محالہ رفتن مرا محرک آمدن او دانند۔

شیخ کو تو صرف ہندوستان کے الزام جاسوسی کا کھٹکا تھا، لیکن یہ ہندوستان کی سیاسی زندگی کے لئے جو نازک ساعت تھی اسے حزیں جیسے "فارسی پرست" کیا جانیں، جس کی محبوب چیز معرض خطر و اختلال میں پڑتی ہے تو خیالات کی پرواز اسے کہاں نہیں پہونچا دیتی۔ الغرض شیخ حزیں کی ناز برداری نہ ہونے کی دوسری وجہ ملک کی سیاسی پیچیدگی تھی۔

مذہبی اختلاف

شیخ نے اپنے عقاید کے متعلق کہیں نہیں لکھا، لیکن تذکرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ مذہب شیعی کے اثنا عشریہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، ہر چند آپ کے خیالات میں فرقہ دارانہ عصبیت اور مذہبی تنگ نظری نہیں پائی جاتی، کیونکہ آپ ایک زبردست عالم اور اعلیٰ درجہ کے محقق تھے، محض تقلیدی عقاید کے آپ پابند نہ تھے، جس کا تذکرہ انھوں نے خود فرمایا ہے، ہندوستان ہمیشہ کمالات کا قدرداں رہا ہے، اور اسے علم و فضل کی قدر دانی میں فرقہ دارانہ اختلافات کا خیال نہیں ہوا، چنانچہ اردو کے اکثر سربرآوردہ شعراء مذہب شیعی ہی کے متبع تھے، ہندوستان کا کون سنجیدہ دماغ کہہ سکتا ہے کہ اس کے قلب میں میر، غالب، آتش، انیس وغیرہ کے لئے جذبہ احترام نہیں پایا جاتا، لیکن شیخ عقاید شیعی کے گہوارہ سے نکلکر ہندوستان میں آئے تو انہیں مذہبی فکر و عقاید کا ایک جدید سماں نظر آیا۔ حکومت کا عقیدہ بھی شیخ سے مختلف تھا، ملک کی بڑی جماعت آپ کے خیالات مذہبی سے اختلاف رکھتی تھی، ممکن ہے، لسانی انقلاب، اور سیاسی شورش کے ساتھ، مذہبی اختلاف نے بھی ملکر کچھ بددلی پیدا کردی ہو،

کمالات علمیہ اور ذوق مطالعہ

اگلی سطور میں لکھا جا چکا ہے کہ شیخ کا خاندان ایک علمی خاندان تھا، اس لئے بچپن ہی سے انہیں علم و فن سے دلچسپی تھی، پھر جیوں جیوں علمی استعداد بڑھتی گئی، کتب بینی کا شوق بھی بڑھتا گیا، اور یہ شوق اسقدر پائدار اور یہ جذبہ اسقدر مستقل تھا، کہ جبتک زندہ رہے تحصیل علوم کا نشہ نہ اترا، فارغ التحصیل ہو چکے ہیں والد کے ساتھ اپنے آبائی وطن لاہجان سے اصفہان کیطرف آرہے ہیں، رستہ میں رسالہ تشریح افلاک پڑھ ڈالا، ہیئیات کے متعلق معلومات حاصل کئے، اصفہان میں پہونچے، تو فرماتے ہیں:۔

> دراں بلدہ باز بشوقے تمام وو جہے موفور بمذاکرہ و مباحثہ مشغول شدم و روزگارے بجمعیت و آرام داشتم و در مدرس فاضل تحریر میرزا کمال الدین حسن فسوی باستفادہ تفسیر بیضاوی و جامع الجوامع طبری، و امور عامہ شرح تجرید پرداختم و نزد مولانائے فاضل حاجی محمد طاہر اصفہانی کہ محدث و فقیہ زماں بود کتاب استبصار شیخ طوسی و شرح لمعہ دمشقیہ قراءۃ کردم۔

اس کے بعد شیخ عنایت اللہ گیلانی سے منطق تجریہ (جو منطق میں ایک بہترین کتاب ہے) اور کتاب نجات شیخ الرئیس شروع سے آخر تک

پڑھ ڈالی پھر امیر سید حسن طالقانی کے حلقۂ درس میں فصوص الحکم شیخ عربی اور شرح ہیاکل النور پڑھی، طب کا شوق ہوا، ایک رات مطالعہ میں مشغول تھے اور فن طب کی کتابیں گرد و پیش جمع تھیں، قریب صبح شیخ کے والد آئے، اور کہا جس شخص کو فرصت کا اعتماد ہو تو جو چاہے حاصل کرے، اسے جائز ہے، لیکن تمہیں طول عمر پر ایسا اعتماد کیونکر حاصل ہوا، میں دیکھتا ہوں تمہارا نفس تمہارا جسم پگھلا رہا ہے، پھر اس کے بعد چند باتیں تلقین کیں اور دعا کرتے ہوئے اٹھ گئے پھر فرماتے ہیں:۔

پس از چندے بخدمت فاضل محقق میرزا محمد طاہر خلف مرزا ابوالحسن قاینی کہ در ریاضیات داد بساط حکمت نادرۂ زمن بود رفتہ مدتے تحصیل و تنقیح رسائل ہیئات و شرح تذکرہ و تحریر اقلیدس و تحریر مجسطی و قوانین حساب پرداختم:

مختلف مذاہب کی تعلیم کے متعلق انہوں نے ان مذاہب کے مشہور علما سے مذہبی کتابیں پڑھیں، اصفہان میں ایک نصرانی خلیفہ اوانوس تھا اس سے انجیل پڑھی، پھر شعیب ایک یہودی عالم تھا اس سے توریت کا درس لیا آپ تقلید محض کے پابند نہ تھے، فرماتے ہیں:

مرا در مسائل فرعیہ علمیہ کہ مواضع خلاف فقہا بود، اضطرابے و حیرتے روی داد و خاطر مطمئن بر فتاوائے فقہائے معمول بین الناس نمی شد۔

فکر میں حریت تھی، خیالات مجتہدانہ تھے، فوراً احادیث کا مطالعہ شروع کیا، اسماء الرجال کی کتابیں دیکھیں، اور خود متنازع فیہ مسائل پر اجتہادی نظر ڈالی، فرماتے ہیں:۔

احادیث را اصل و ماخذ دانستہ بسیارے از کتاب تہذیب الاحکام شیخ طوسی را در مدرس مجتہد زماں آقا ہادی خلف مولانا محمد صالح مازندرانی استفادہ نمودم، و نظر در رجال حدیث و اسناد آں کردم در جوع بکتب استدلالیہ فقہا و تفحص طرق استنباط ایشاں نمودم و برکتب فرعیہ حدیث گذشتم و دراں باب جہد موفور کردم تا آنکہ در مسائل کہ مرا احتیاج الیہ و معمول بہ بود بقدر وسع اطمینان حاصل آمد، و از تقلید محض، خاصہ با تخالف آرا و عدم عصمت احدے از مفتیاں کہ مرتقی اقدام است و موقف حیرت فی الجملہ رہائی حاصل آمد،

دنیا کے سنجیدہ دماغ تقلید محض کے سخت مخالف رہے ہیں، اور انہوں نے فرقہ وارانہ عصبیت کا جال توڑ ڈالا ہے، شیخ حزیں نے دنیا میں ایک نکتہ سنج اور نازک خیال شاعر کی حیثیت سے شہرت پائی، وہ بھی تقلید محض کو ایک حیرت کی چیز بتاتے ہیں، ہندوستان میں غیر مقلدین (اہل حدیث) کا وجود، مستقبل ہند کی حریت فکری اور کاوش ذہنی و عقلی کا سنگ بنیاد ہے، جس کے شواہد آج بھی نظر آرہے ہیں، "دی اسپرٹ آف اسلام" کے مصنف نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

عبادت و ریاضت

شیخ نے ابتدائی زندگی کے ریاضت پسندانہ رجحان کا تذکرہ کیا ہے، اور وہ اپنی موجودہ زندگی پر متاسف ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

آں مقدار از کتب مختلفہ و فنون متشتتہ کہ در اندک مدت بمطالعہ من در آمد مگر قلیلے از علمائے متبحر را میسر آمدہ باشد و با ایں حال رغبتی موفورہ بطاعات و عبادات بود، و لذتے عجیب ازاں می یافتم:

لیلۃ القدر، جمعہ اور دوسری متبرک راتوں کو ذکر و شغل میں مصروف رہتے، آپ کا معمول تھا کہ بہتیری سنن اور نوافل کو پابندی سے گذارتے، عبادت اور پاک زندگی کے اثرات کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:

دل را طرفہ رقت و صفائی و سینہ را انشراحے بود، و ذکر آں احوال چنانکہ بود نتوانم کرد،

پھر فرماتے ہیں:۔ افسوس افسوس چہ دانستم کہ کار بایں درماندگی و دل مردگی و افسردگی کہ اکنوں کشیدہ، خواہد کشید۔

تصنیفات شعریہ شیخ نے اپنی غزلیات، مثنوی، قصائد، رباعیات کے پانچ دیوان مرتب کئے تھے، پہلے دیوان میں تقریباً سات آٹھ ہزار بیت تھے، دیوان ثانی میں دس ہزار بیت تھے، اس میں تذکرۃ العاشقین نامی ایک مثنوی بھی تھی، جسمیں عرب کی ایک روایت حسن و عشق سے پلاٹ لیا گیا ہے، جو اصمعی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں "در طریق طایف سنگے دیدم کہ بریں بیت نوشتہ بود"

الا یا حشر العشاق باللہ خبروا اذا اشتد عشق بالفتی کیف یصنع

یہ مثنوی ایک ہزار بیت پر مشتمل تھی۔

۱۱۲۷ھ میں شیخ کے والد نے انتقال کیا، دو برس کے بعد والدہ بھی سیارجناں ہوئیں اصفہان میں طبیعت نہیں لگی، شیراز میں آئے یہاں اگلے دوست مرچکے تھے، اس زمانہ میں شیخ نے بہت سے اشعار کہے، اور اپنا تیسرا دیوان مرتب کیا، جسمیں تین چار ہزار ابیات تھے، اپنے چوتھے دیوان کے متعلق صرف اسی قدر لکھتے ہیں:۔

"اشعاریکہ دراں مدت گفتہ شدہ بود جمع آوردم و ایں چہارم دیوان خاکسار است"

بوستان سعدی کے طرز میں ایک مثنوی لکھی جس کا نام خرابات رکھا، ہر چند یہ تمام نہو سکی، اسمیں ایک ہزار دو سو بیت تھے، معمہ گوئی کی طرف بھی رغبت ہوئی۔

ایک مرتبہ دوستوں کے ساتھ صحرا نوردی کر رہے تھے، گھوڑا گرا، شیخ بھی گرے، داہنے ہاتھ میں چوٹ آئی اور ایک سال تک دوا ذیت میں مبتلا رہے، اس زمانہ میں بہت سے اشعار کہے، بائیں ہاتھ سے لکھنا شروع کیا، مثنوی ساقی نامہ جو ایک ہزار بیت پر مشتمل تھی اسی زمانہ کا کلام ہے۔

علمی تصنیفات رسالہ کنہ المرام جو قضا و قدر کے بیان میں ہے، ہندوستان میں لکھا، یہ وہ وقت تھا جب شیخ کی اقامت ہند کا ابتدائی زمانہ تھا، یہ کتاب یقیناً شیخ کی بہترین تصنیفات میں ہوگی، چونکہ ہندوستان کے متعلق جو تاثرات آپ کے قلب میں پیدا ہوئے تھے، انہیں قانون تجدید، یا ایک ہندوستانی کی حیثیت سے یوں کہوں تو بیجا نہیں، کہ جذبۂ انتقام کی ایک مہذب اور آراستہ صورت میں ادا کیا ہوگا، مکہ معظمہ میں ایک رسالہ "امامت" تصنیف کیا، اس کے متعلق خود فرماتے ہیں:۔ "بسبب اشارئے کہ در دیار روی داد" مشہد مقدس میں تھے تو چند رسائل لکھے، جن کے متعلق لکھتے ہیں "بسیارے از کتاب رموز کشفیہ" با چند رسالہ دیگر در آنجا تحریر نمودہ ام" کرمانشاہان میں تھے، تو مجربات طب کے متعلق "مفرح القلوب" نامی ایک رسالہ لکھا تھا، دوسرا رسالہ "تجرد نفس" بھی اسی مقام پر تصنیف کیا، شیخ ابن العربی کی کتاب فصوص الحکم کے فص ادریسی کے متعلق ایک شرح لکھی، اپنی چند دیگر تصنیفات کے متعلق لکھتے ہیں:۔

رسالہ موسومہ بہ توفیق کہ در توافق حکمت و شریعۃ است و رسالہ توجیہ کلام قدمائے حکمائے مجوس در مبدا عالم و

حواشی بر شرح حکمت اشراق، ورد دایح الجنان، رسالہ ابطال تناسخ برائے طبیعین، و شرح رسالہ کلمۃ التصوف شیخ اشراق، و حاشیہ بر آسیات شفا و فرید الفوائد و حاشیہ بر شرح ہیاکل النور۔ و رسالہ در مدارج حروف و فرسنامہ تحریر نمودہ ام"

اس سے ظاہر ہے کہ شیخ حدیث، فقہ، فلسفہ، حکمت، کلام، تصوف، شاعری، آلہیات وغیرہ تمام علوم کے ماہر تھے۔

یورپ کی قدردانی ایک انگریز مستشرق ایف سی بلفور نے، شیخ کے "تذکرہ" کا ایک نسخہ دو قلمی نسخوں سے مقابلہ کرکے مرتب کیا، اس کا ایک انگریزی ترجمہ ۱۸۳۰ء میں لندن شایع کیا اور اس میں جو تاریخی، اور جغرافی روایات ہیں ان کی تشریح کی۔

وفات صاحب "خزانہ عامرہ"، نے لکھا ہے، ۱۱۸۰ھ میں گیارھویں جمادی الاول کی شب کو انتقال کیا، بنارس میں پہلے سے ایک مقبرہ تیار کرا لیا تھا، یہیں مدفون ہوئے، شیخ کی قبر پر ایک کتبہ ہے، جسمیں خود شیخ کا یہ شعر پایا جاتا ہے:۔

حزیں از پائے رہ پیما بسے افسردگی دیدم سر شوریدہ بر بالین آسایش رسیدہ اینجا

(باقی ——— باقی)

(حزیں کے کلام پر تفصیلی و جزئی تنقید آیندہ ماہ میں شایع ہوگی)

عبد المالک آروی

بکس بہار

خوبصورت بنو - خوش آواز ہو

سفوف حسن یوسفی یہ سفوف چہرہ کے داغ دھبے، جھریاں، جھائیاں، مہاسے بالکل مٹا دیتا ہے اور چہرے کے رنگ کو نکھار کر انار کے پھول کیطرح خوشنما بنا دیتا ہے۔ بہتر سے بہتر صابن اسکا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ ہاتھ پاؤں یا چہرہ خشکی کے دڑنے اور پھٹ جانے کو روکتا ہے چہرہ کو ہمیشہ تر و تازہ رکھتا ہے فی شیشی عہ

جوب لحن داؤدی یہ گولی کھانسی کھرے پن بلغم وغیرہ کو دور کرکے آواز کو نہایت سریلا اور طاقتور اور بلند بنا دیتی ہے چند روز کا استعمال مدتوں کافی ہے فی شیشی عہ

لاجواب خضاب پانچ منٹ میں بالوں کو قدرتی رنگ پر سیاہ بنا دیتا ہے اور پھر وہی رنگ مدتوں قائم رہتا ہے فی شیشی ۱۲/

قوام خوشکام ایک بینک بھر کر پانوں میں لگانے سے منھ نہایت خوشبودار ہو جاتا ہے اور بیحد لطف آتا ہے لطف یہ کہ بھوک بڑھاتا، اور تمام اعضائے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے قوت مردمی میں بیحد اضافہ کرتا ہے تندرستی اور جوانی کو قائم رکھتا ہے قیمت فی شیشی عہ مکمل بکس ہے

روغن خوشبو اسقدر خوشبو ہے کہ چند قطرے سر میں لگانے سے تمام جسم معطر ہو جاتا ہے درد سر کو روکتا ہے بالوں کی جڑوں کو مضبوط کرتا ہے اور سیاہی کو قائم رکھتا ہے دماغ کو بیحد تقویت دیتا ہے خشکی اور بے خوابی کو نیست نابود کر دیتا ہے قیمت فی شیشی عہ

قدرتی دائمی خضاب زندگی جو بال قبل از وقت سفید ہو گئے ہیں یا سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں انکو روک کر قدرتی سیاہ رنگ پر لاتا ہے بکی قوت مردمی خواہ کسی وجہ سے کیوں نہ ہو دور کرتا ہے اور از سر نو شباب کی طاقتیں پیدا کرتا ہے نزلہ کی تمام تکالیف دور کرکے دماغ و حافظہ کو قوی، جگر گردہ، دل، اور معدہ، قوت مردمی کو بہت زیادہ تقویت دیتا۔ اور چہرہ کو سرخ رنگ دار خوشنما بناتا ہے قیمت عہ سہ ماہ بعد کامل فائدہ، صرف عہ ہمیشگی دینا ہوگا

ملنے کا پتہ:۔ منیجر دار الحکمت نیا گاؤں لکھنؤ

چندراوتی

(فسانہ)

رات کو دو بجے مجھے فرصت ہوئی اور اخیر پروف شیٹ پاس کر کے مین نے اوُورکوٹ پہنا۔ ٹوپی چھڑی ہاتھ مین لی اور سگریٹ جلاتا ہوا مورننگ اسٹار کے دفتر سے چورنگی پر نکل آیا۔

یون تو ۲۶ دسمبر کو کلکتہ مین ہمیشہ چہل پہل رہتی ہے لیکن میرے لئے یہ دن بہت انہماک کا تھا اور متحدہ مسلم کانفرنس کے جلسے مین (جو ایک تباہ ہونے والی قوم کے بداخلاقیون کا بہترین نمونہ تھا) صبح کو تین گھنٹے کامل ضایع کرنے کے بعد واپس آیا تو ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور چیف اڈیٹر کی آواز سنائی دی

"احسن مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آجکی گھوڑدوڑ مین وایسرائے کپ کے لئے شہریار کی کامیابی کے آثار اچھے ہین لیکن چونکہ گھوڑا نیا ہے اور نہایت مخفی طور پر طیار کیا گیا ہے اس لئے نہ لوگون کو حقیقت کا علم ہے اور نہ سر احسان الزمان کچھ بتاتے ہین۔ تم تو انکے پاس آتے جاتے ہو۔ اگر کچھ دریافت کر سکو تو کل گھوڑدوڑ کی خبرونکے ساتھ اس کا اضافہ بہت دلچسپ ہوگا" "یہ ذرا دیکھنے کوشش کرتا ہون" کہکر ٹیلیفون رکھدیا۔ کانفرنس کی رپورٹ ختم کر کے نیوز اڈیٹر کو دے آیا۔ اور ٹیکسی لیکر سیدھا زمان پیلیس پہونچا لیکن سر احسان بھی باہر جا چکے تھے اسلئے مجھے ناکامیاب واپس ہونا پڑا۔

میرے نوکر نے دروازہ کھولا۔ اور اوُورکوٹ۔ ٹوپی اور چھڑی لیکر۔ آنکھین ملتے ہوے کہنے لگا "حضور۔ دو گھنٹے ہوے سر احسان الزمان نے ٹیلیفون کیا تھا۔ فرمایا تھا کہ جب آپ واپس آئین تو اونھین خبر کر دیجئے گا۔ وہ منتظر رہین گے" مین نے "اچھا" کہکر نشست کے کمرہ مین جا کر ٹیلیفون پر ۷۵۶۵ پارک۔ زمان پیلیس کا نمبر مانگا اور ایک لمحے مین سر احسان دوسری طرف بولتے ہوے سنائی دئے۔ "جی ہان، ابھی ابھی واپس، ...... ہان صبح حاضر ہوا...... شہریار کی کامیابی ...... حضور دعوت ...... ضرور ...... کیا فرمایا ...... کل گیارہ بجے ...... بہتر ضرور حاضر ہون گا ...... کیا فرمایا ...... رانی چندراوتی ...... نہین ابھی تک تو ...... آج صرف پیڈک کے قریب دیکھا تھا ...... ضرور ضرور ...... آبیرا ہاوس ...... ہان ہان ...... ضرور حاضر ہونگا ...... شکریہ ...... تسلیم" ٹیلیفون رکھ کر مین دیر تک کھڑا سوچتا رہا۔ کل گیارہ بجے شب کو سر احسان الزمان نے مجھے شب کے کھانے پر بلایا تھا اور مہارانی چندراوتی انکی خاص مہمان ہونیکو تھین۔ مہارانی صاحبہ کل آبیرا ہاوس مین نو بجے سے گانیوالی تھین اور اوسکے بعد زمان پیلیس مین دعوت تھی۔ لیکن میری سمجھ مین نہ آتا تھا کہ آخر سر احسان اور رانی چندراوتی

گیا جوڑ۔ کہ پھر ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور مورننگ اسٹار کے چیف اڈیٹر کی آواز آئی۔ "احسن' دیر سے تمھارا نمبر مانگ رہا ہون۔ لیکن جب جواب ملا "مشغول" اسن سول کے آگے پنجاب میل اک مال گاڑی سے ٹکرا گئی ہے چار بجے ریلیف ٹرین جائیگی۔ تم مہربانی کرکے تھوڑی دیر دم لیکر ہوڑہ چلے جاؤ۔ ابھی کسی اور اخبار کو خبر نہین ہے" بہت بہتر کہکر مین نے ٹیلیفون پٹک دیا۔ کمبخت۔ یہ بھی کوئی زندگی ہوئی۔ ابھی تو تھکا ماندا گھر آیا تھا اور ابھی یہ حکم کہ بردوان جاؤ۔ اخبار کے نامہ نگارونکی زندگی بھی اک عذاب ہوتی ہے۔

مین نے دوسرے دن دس بجے واپس آکر غسل کیا۔ خدمت گار نے "ڈنر سوٹ" پلنگ پر پھیلا دیا تھا۔ کپڑے بدل کر مین ٹہلتا ہوا آ ہیرا ہاوس کو روانہ ہوگیا۔ راہ مین سوچنے لگا کہ آخر سر احسان الزمان جیسے معزز بیرسٹر نے جن کی عورتون سے نفرت ہر ایک کو معلوم تھی مہارانی چندراوتی اور اونکے ساتھ اور بھی کئی عورتون کو کیون اپنے گھر بلایا تھا۔ جہانتک مجھے علم تھا۔

سر احسان کی بیوی زندہ نہ تھین اور آجتک انھون نے عورت کی اپنے گھر دعوت نہ کی تھی۔ اور عموماً ایسے جلسون اور ایسی دعوتون مین کم جایا کرتے تھے جہان عورتین ہوتی تھین پھر ابتدا بھی ہوئی تو مہارانی چندراوتی سے۔ میری کچھ سمجھ مین نہ آتا تھا۔ مہارانی صاحبہ وسط ہند کے ایک اوسط درجہ کی ریاست فتح پور کے راجہ کی بیوی تھین۔ مجھے اسکا پتہ نہ چلسکا کہ یہ مہاراجہ فتح پور کی چوتھی بیوی تھین یا گیارھوین۔ مدت تک یہ حرم سرا مین ایک گمنام زندگی بسر کرتی رہین۔ غالباً انکے وجود کا مہاراجہ کے چند خاص ملازمین کے علاوہ کسی اور کو علم بھی نہ تھا۔ مہاراجہ فتح پور جب ایک وفد کے ساتھ انگلینڈ جانے لگے تو معیت کے لئے انھین کا انتخاب ہوا۔ اور بمبئی پہونچکر مہارانی کا بے نقاب ہونا تھا کہ انکے حسن وجمال کا شہرہ دور دور پہونچ گیا۔ اب تو جس اخبار اور جس میگزین کو اوٹھا کر دیکھو ان کے حالات اور انکی تصویرون سے بھرے نظر آتے تھے۔ کہین مہارانی پوجا کر رہی ہین تو کہین ستار بجا رہی ہین کہین پر شیر کا شکار ہو رہا ہے تو کہین نیزہ بازی کی مشق ہو رہی ہے

یورپ پہونچکر انکا اور بھی شہرہ ہوگیا یہانتک کہ جب وہ مونٹے کارلو پہونچی ہین تو انکی شہرت سے سارا یوروپ گونج رہا تھا۔

نیس اور مونٹے کارلو بحر روم کے کنارے دو ایسی جگھین ہین جہان ساری دنیا کے دولت مند سیر وتفریح کے لئے جمع ہوتے ہین جہان دنیا کی حسین ترین عورتون کا اجتماع ہوتا ہے اور جن مین سے ہر ایک لاکھوں کے زیور سے لدی ہوتی ہے لیکن اس حسین مجمع مین بھی مہارانی چندراوتی گل سر سبد کی طرح سب سے الگ نظر آتی تھی۔ اوسی زمانہ مین روسی شاہی خاندان کے جواہرات بک رہے تھے۔ اور یوروپ اور امریکہ کے کروڑ پتی بڑھ بڑھ کر قیمت لگا رہے تھے مگر مہاراجہ فتحپور نے اتنے دام لگا دئے کہ امریکہ کے کروڑ پتی تاجرون کے چھکے چھوٹ گئے اگر ان تاجرون نے مٹی کے تیل۔ سور کے گوشت، اور دیا سلائیان بنا کر اور بیچکر دولت کمائی تھی تو فتح پور کے مہاراجہ نے سیکڑون برس کے جمع کئے ہوئے خزانے ترکہ مین پائے تھے۔ ہان اتنا ضرور ہے کہ اس ایک خریداری کے بعد فتح پور مین ملازمین کو کئی مہینے تنخواہ نہ ملی۔ بہت سی کمپنیون کے بل ادا نہ ہوسکے رعایا پر ٹیکس دو چند ہوگیا اور پھر بھی مہاراجہ کو نج کی جائیداد کا نصف حصہ رہن کر دینا پڑا

جب مہارانی صاحبہ لندن پہونچین تو رٹز ہوٹل کے ان کمرون مین اترین جن مین یا تو چارلی چیپلین، ڈگلس فیربینک میری پکفورڈ جیسی ہستیان قیام کرتی ہین یا سابق شاہ اسپین اور سابق شاہ ایران جیسے بیفکر اور آزاد بادشاہ ٹھیرا کرتے تھے خاصہ کے کمرون کے علاوہ - احباب - مصاحبین اور ملازمین کے لئے مہاراجہ نے کارلٹن ہوٹل کی پوری ایک منزل کرایہ پر رکھی تھی لندن کے انتہائی رونق اور چہل پہل کا زمانہ تھا شہزادی وکٹوریہ شادی کے بعد پہلے پہل ہارل برا ہاؤس مین مقیم ہوکر سوسائٹی کے فرائض انجام دیرہی تھین - ونڈسر لینگھم یا رانلیگ مین پولو کے شاندار میچ ہوا کرتے تھے - ایسکٹ کی گھوڑدوڑ اور ہنلے کی کشتی رانی مین جانا ضرور تھا - شب کو دعوتین تھین اور پھر رقص کے جلسے، تھیٹر تھے اور انکے بعد نائٹ کلب مین صبح کے چار پانچ بجے تک جام شراب کے دور اور مستانہ وار ناچ - سارا لندن کچھ بھرا ہوا تھا - اور ہر جلسہ اور ہر تقریب مین مہارانی موجود رہتی تھین

ایک شب جرمن سفارت مین کھانا تھا - کسی بات پر مہاراجہ فتح پور اور کونٹ موسکووچ، روس کے قدیمی شاہی خاندان کے ایک رکن سے کچھ بحث ہوگئی - مہاراجہ نے کچھ سخت کہا اور کونٹ نے شراب کا گلاس انکے منہ پر کھینچ مارا دوسری شب کو رچمنڈ پارک مین پوشیدگی سے کونٹ اور مہاراجہ مین (ڈویل) جنگ ہوئی - اور دونون ایک دوسرے کی گولی کھاکر گرے اور مرگئے۔

فتح پور مین مہاراجہ کمار کی نابالغی کی وجہ سے ریجنسی قایم ہوگئی، ریاست کا انتظام مجلس انتظامیہ کے سپرد ہوگیا جس کے صدر ایک انگریز مقرر ہوے - اخراجات مین کمی ہونے لگی - دوڑ کے گھوڑے - کتے اور موٹرین نیلام ہونے لگین زاید ملازم برخاست کردئے گئے - مہارانیون کے گزارے کے لئے مختصر سی تنخواہین مقرر ہوگئین - اور ایسی عورتین جنھین مہاراجہ نے شادی بغیر محل مین ڈال رکھا تھا کچھ دے دلاکر ریاست سے نکال دیگئین، چندراولی کا بھی یہی حشر ہوا - ریاست کے جواہرات فوراً وزیر ہند کے حکم سے چھین لئے گئے اور چند ہی دنون مین یہ غریب عسرت کی زندگی بسر کرنے لگی، مگر مہاراجہ اور کونٹ کی موت نے انکی کافی شہرت کردی تھی، ہر اخبار اور ہر میگزین مین انکے حالات اور انکی تصویرین چھپتی تھین - اخبار والون نے ہزارون روپے دیکر من گھڑت افسانے اور خیالی قصے ان کے نامون سے چھاپے - صابن - منجن - اور "سرمہ مسی" والون نے بھی بڑی بڑی رقمین خرچ کرکے سندین حاصل کین - ناگن کے سے لہرائے ہوئے بالون اور موتی کے سے صاف دانتون کی تصویرین لی گئین لیکن وہ عورت جس نے ہزارون - لاکھون اپنی ادنی ادنی خواہش پر لٹائے ہون جس نے اپنی آرائش اور آرام پر دولت پانی کی طرح بہائی ہو وہ کبتک اس طرح کی بے مزہ زندگی بسر کرسکتی تھی، اتفاق سے اسی زمانہ مین رولینڈ لاسکی جو امریکہ اور یورپ کے کئی بڑے بڑے تھیٹر کا مالک تھا اپنے خاص ہوائی جہاز پر لندن آیا - اور ایک بڑی رقم دینے کا وعدہ کرکے دو سال کے لئے ان سے معاہدہ کرالیا کہ ہفتہ مین دو روز مہارانی اسٹیج پر جاکر ناچین اور گائین گی

اخباری تشہیر بھی وہ جادو ہے کہ معاذاللہ اب تو جس شہر مین مہارانی گانے والی ہوتین وہان ہفتون بلکہ مہینون پہلے سے شہر کے ہر مشہور اور ممتاز مقام پر انکی قد آدم تصویرونکے اشتہار ہوتے - کہین پر انکی ہندوستانی زندگی کا منظر ہوتا کہین یورپ کے سفر کے مرقع - اور کہین مہاراجہ اور کونٹ سے گولی چلتی دکھائی جاتی - غرض اشتہار کے ذریعہ سے لوگون مین ایک

خاص شوق اور ایک خاص ہیجان اور بیچینی پیدا کیجاتی - ہفتون پہلے سے شہر کے لوگ سوائے اس کے کسی اور مضمون پر گفتگو ہی نہ کرتے تھے - مہارانی کے آنے سے بہت پہلے تھیٹر کے کل ٹکٹ بک چکے ہوتے - قبل سے کسی ایک جگہہ دو ایک دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ظاہر نہ کیا جاتا - لیکن اگر پبلک مین مزید شوق دیکھا جاتا تو دو ایک دن اور بھی ٹھہر جاتین - ایک کے بدلے دو تین تماشے ہوتے - ٹکٹ کے دام دو گنے تگنے کر دئے جاتے الغرض لاسکی نے مہارانی کے ذریعہ سے اور مہارانی نے لاسکی کے ذریعہ سے کافی دولت حاصل کی

دو برس کے بعد جب لاسکی کے معاہدہ کی مدت ختم ہوئی تو امریکہ اور یورپ کے تھیٹر والون مین لاگ ہو گئی - لیکن چندر راوتی نے چونکہ اتنے دنون مین اچھی طرح دنیا دیکھ لی تھی اور وہ اپنے حسن کی جادو گری اور اپنی جوانی کی مقناطیسی قوت سے آگاہ تھین اسلئے خود انھون نے براہ راست اپنا کاروبار شروع کیا - اور خود اپنے انتظام سے رقص وجمال کے تماشے دکھانے لگین - مغربی رئیسون کو بھی آنے جانے کا موقع دیا گیا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہُن برسنے لگا اور دولت کی انتہا نہ رہی، پانچ سال تک مہارانی یورپ - امریکہ - جاپان - اور چین کے دورے کرتی ہوئی ہندوستان آئین - اور بمبئی مین صرف ایک شب گانیکے بعد آج کلکتہ کے آپیرا ہاوس مین والسرائے اور امراء ہند کے سامنے نغمہ زن ہونے والی تھین

مین انھین خیالات مین ڈوبا ہوا آپیرا ہاوس پہونچ گیا - سامنے فوج کا پہرہ تھا - مورننگ اسٹار کے نامہ نگار ہونیکی وجہ سے مجھے ٹکٹ خریدنے کی ضرورت نہ تھی - ہال مین رستم جی منیجر ملے اور اونھین کے ساتھ مین بھی ایک کونہ مین کھڑا ہو گیا - سارا تھیٹر جواہرات سے جگمگا رہا تھا - والسرائے اور گورنر کے علاوہ بہت سے امراء جمع تھے اسٹیج پر "مہارانی" گا رہی تھین ہندوستان کا ہر باجہ اکٹھا کیا گیا تھا - انکی وردیان زرق برق تھین انکے آگے بیس پچیس حسین کمسن عورتون کا مجمع تھا اور انکے جھرمٹ مین مہارانی ناچ ناچ کر اور بھاؤ بتا بتا کر گا رہی تھین انکے لباس اور انکے زیورات کا حال بیان کرنیکی مجھمین طاقت نہین ہان اتنا ضرور کہونگا کہ گو ریاست فتح پور کے دئے ہوئے جواہرات چھن گئے تھے لیکن فتح پور جیسے بیسیون والیان ریاست اور مغربی لارڈ اور کروڑپتی تاجرونکے دئے ہوئے جواہرات مہارانی کے جسم پر چمک رہے تھے - انکا حسن اب بھی باقی تھا - جسم مین ابھی تک چھریرا پن موجود اور انداز رعنائی مین ابھی تک جادو بھرا تھا - مالکوس گا رہی تھین اور اس پانچ سرونکی راگنی من وہ باتین پیدا کر رہی تھین کہ انگریز بھی سر دھن رہے تھے اور لیڈیان بھی موسیقی سے متاثر ہو کر پانون پٹک رہی تھین - مالکوس کے بعد ایک انگریزی گانا شروع ہوا جو وادرا کے طرز پر بندھا ہوا تھا اسکے ساتھ کہروا ناچ نے مجمع کے ہر فرد کو آپے سے باہر کر دیا تھا، سب ساز بند تھے صرف میان مراد علی پٹنہ والے کی سارنگی بج رہی تھی - انکا جبہ پوری صافہ - گلابی کمخواب کی شیروانی گلے مین اور موٹی طلائی زنجیر - سازندو نہین انھین ممتاز بنائے ہوئے تھی انکے سیاہ گلمچھے اور گھنی مونچھ اور پھر تان کی ہر لپیٹ اور تارون پر انگلیون کی ہر سوت کے ساتھ انکے سر کا ہلنا اور ہر کن اور مرکی پر انکے منہ کا بننا بگڑنا بہت پر لطف منظر تھا - میان ریاضی بھی آہستہ آہستہ ٹھیکا دئے جا رہے تھے - اور جب بایان دبنے لگتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑا کبوتر بول رہا ہے اور دل مین ایک خاص گدگدی سی

معلوم ہوتی تھی، غضب کا سمان تھا۔ رقص کے اختتام پر تحسین کا ہنگامہ تالیونکا شور ہوا۔ مہارانی ایک عجیب انداز دلربائی سے سر جھکائے کھڑی رہنے کے بعد اسٹیج سے اوتر کر وائسرائے کے سامنے گئین جنھون نے بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا۔ مبارکباد دی اور پھر رخصت ہوے۔ بھیڑ چھٹنے لگی۔ مین بھی باہر نکل آیا اور ٹیکسی لیکر زمان پیلیس پہونچا

زمان پیلیس دولھن کی طرح سجا ہوا تھا۔ باغ کے ہر ہر درخت کی ڈالیون اور روش کے کنارے کنارے جھاڑ یونمین قمقمے روشن تھے سر احسان مہمانونکا خیر مقدم کر رہے تھے۔ میرے پہونچتے ہی مہارانی چندراوتی اپنی بہت بڑی۔ ہسپانو سوئزا۔ سو ہارس پاور کی موٹر پر تشریف لائین۔ یہ گاڑی انھون نے خاص اپنی فرمائش سے بنوائی تھی اور خالص چاندی کی تھی دروازونکے دستے سونیکے تھے۔ اس گاڑی کی تصویرین مین کئی بار دیکھ چکا تھا مگر اسوقت جو اسے دیکھنے کا موقع ملا تو مین حیران رہگیا

جب مین ڈرائینگ رُوم مین داخل ہوا تو تمام مہمان جمع تھے جن مین سر جیمس فریزر چیف جسٹس سر چارلس فرگوسن پولیس کمشنر۔ جنرل سر ہنری اسٹوارٹ بنگال کی فوجونکے افسر اعلیٰ۔ جسٹس کمار ناتھ ہیز جی والٹس چانسلر۔ نواب محسن علی آوف براج پور کرنل چانسلر پرنسپل میڈیکل کالج۔ راجہ سر ندر ناتھ سین صدر مجلس سونہ رای خاص طور پر قابل ذکر ہین

میرے والد سر احسان الزمانکے منشی تھے اور انکے انتقال کے بعد سر احسان ہی نے مجھے تعلیم دلوائی تھی۔ کیمبرج بھیجا تھا۔ صحافت کی تعلیم دلوائی تھی اور انھین کی سفارش سے مورننگ اسٹار جیسے معزز انگریزی اخبار کا نامہ نگار ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی اولاد کی طرح مانتے تھے اور مجھے پیلیس کی ہر دعوت اور ہر تقریب مین بلایا کرتے تھے

زمان پیلیس کا ڈرائنگ روم کلکتہ کا سب سے عمدہ اور آراستہ کمرہ تھا یورپ کے متعدد رسالونمین اسکے فوٹو نکل چکے تھے اس کمرہ قلمی تصویرین۔ اسکے ایرانی قالین۔ سیکڑون برس کے قدیم چینی کے گلدان اور کھلونے۔ ہاتھی دانت کے مجسمے اور سامان آرائش ایسی چیزین تھین جو دنیا مین نایاب تھین اور جنھین دیکھے بغیر کوئی امریکن سیاح کلکتہ سے چلا نہین جاتا تھا

مہارانی کے کمرہ مین داخل ہوتے ہی دوسرے مہمانون نے انکے گرد جھُرمٹ کر لیا۔ سر احسان نے ایک ایک سے تعارف کرایا اور سبھون نے اپنی خوش قسمتی کا اظہار کیا۔ مہارانی کی اعلیٰ موسیقی اور بہترین رقص کا ہر شخص معترف تھا اور ہر شخص کی زبان سے واہ واہ اور سبحان اللہ نکل رہا تھا۔ خادم نے مودب لفظون مین خاصہ چنے جانیکی اطلاع کی۔ سر احسان نے مہارانی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور وہ مسکراتی ہوئی انکے بازو پر سہارا دیکر کھانے کے کمرہ کی طرف بڑھین۔ چھپی ہوئی فہرست ہم سبھونکو پہلے ہی مل چکی تھی جسمین میز کے گرد ہر ایک کی مخصوص جگہہ بنی ہوئی تھی اور ایک ساتھ جانیوالے مرد عورت کے نام لکھے تھے، ہر ایک اپنی لیڈی کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر پیچھے ہو لیا۔ مین راجہ کمار ناتھ کے ساتھ سبھونکے عقب مین تھا

زمان پیلیس کے کھانیکے کمرہ کے بلورین میز اور بلورین کرسیان بوہیمیا کے شاہی محل کی تھین۔ جنگ عظیم کے بعد جب اس خاندان سے تخت چھین گیا اور شاہزادے آوارہ وطن ہو گئے تو سر احسان نے ایک ایجنٹ کے ذریعہ سے اسے ایک کثیر رقم دیکر حاصل کیا تھا۔ دور سے انگریزی باجونکی دلکش آواز آنے لگی اور کھانا شروع ہوا۔ ہر شخص ہنس ہنس کر باتین کر رہا تھا

لیکن سبھون کی نظر مہارانی کی طرف تھی اور سب انھین کی باتین سننے کے مشتاق تھے۔ کھانا ختم ہونے کے بعد سر احسان کھڑے ہوگئے گفتگو بند ہوگئی اور ہر شخص انکی طرف مخاطب ہو کر ہمہ تن گوش ہو گیا۔ سر احسان نے آہستہ آہستہ رک رک کر اپنی تقریر شروع کی اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ کسی جذبے کو روکنے کی کوشش کر رہے ہین۔ اونکی اونگلیان کانپ رہی تھین اور وہ رہ رہکر بنی پیشانی سے پسینہ پوچھتے جار ہے تھے

"میرے معزز دوستو۔ یہ کوئی سیاسی مجمع تو ہے نہین۔ صرف میرے چند خاص احباب کی صحبت ہے۔ جنھون نے میری ناچیز دعوت قبول کرکے مجھے ممنون ہونے کا موقع دیا ہے۔ آج مین اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کرون مجھے زیبا ہے۔ کیونکہ فخر جہان، بلبل ہندوستان مہارانی چندراوتی صاحبہ نے میرے گھر آکر مجھے دنیا کا سب سے خوش قسمت شخص بنادیا ہے۔

حضرات۔ آپ مین سے کون ایسا ہے جو برسون سے مہارانی کے دیکھنے کا متمنی نہ تھا۔ اور مین دعوی کے ساتھ کہسکتا ہون کہ اخبارون اور رسالون کے ذریعہ سے مہارانی کی جو تصویر ہمنے اپنے دلون مین کھینچی تھی۔ اوس سے انھین کہین بڑھکر پایا دوستو۔ آخر جادو ہے کیا؟ جادو نام ہے حسن کا۔ آواز کا اور دولت کا اور اگر دنیا۔ اور آجکل کی روشن خیال اور ترقی یافتہ دنیا مین کوئی سچا جادوگر ہے یا یہ کیون نہ کہون کہ جو خود مجسم جادو ہے وہ ہماری مہارانی صاحبہ مین انکا دلربا حسن وجمال۔ انکا دلکش ترنم، انکی بے پایان دولت اگر جادو نہین تو کیا ہے۔ (تحسین کے پر زور نعرون اور گونجتی ہوئی تالیون نے اس مدح سرائی کی تائید کی مہارانی شرم سے سر جھکائے اپنی انگوٹھی سے کھیل رہی تھین۔ چہرہ گلنار ہو رہا تھا)۔

"حضرات۔ مین ڈرتا ہون کہ آپ نے ان جملون کو شاعرانہ تخئیل سمجھا ہو۔ مگر مجھے بتائیے کہ ہندوستان مین زہرہ بائی اور بی حیدری سے لیکر، بی گوہر اور بی نور جہان تک اور کالکا بندادین سے بی جودھرائن تک کون ایسا تھا اور ہے جسکے رقص و سرود مین وہ اثر ہو جو مہارانی کے ناچ گانے مین ہے۔ اور یورپ مین مدام پاولووا اور مدام لاپاکووا۔ طرازینی اور گھیلی کرسی یا ڈیم کلارابٹ انمین سے کون ہے جو ہماری مہارانی کا مقابلہ کرسکے۔ نہین۔ دوستو مین سچ کہتا ہون کہ مہارانی کے کمال پر ہندوستان جتنا بھی ناز کرے بجا ہے اور مغربی مہذب تو مین انکی جتنی عزت کرین کم ہے" (تحسین کا شور)۔

سر احسان اتنا کہکر خموش ہوگئے۔ پانی کا ایک گھونٹ پیکر چہرہ کا پسینہ پونچھا اور اب جو اپنی تقریر کا سلسلہ شروع کیا تو بہت دھیمی آواز مین اور اس طرح جیسے اپنی کسی بات پر نادم ہون۔

"لیکن میرے دوستو۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے دلمین کہہ رہے ہونگے کہ مجھ جیسے زاہد خشک کو رقص و سرود سے کیا تعلق۔ تو سنئے آج مین اپنے اُس راز کو ظاہر کرتا ہون جو آج پندرہ سال سے میرے دلمین پنہان ہے اور اسوقت مین اوس مُہر کو توڑنے کھڑا ہوا ہون جو میرے لبون پر ایک مدت سے لگی ہوئی ہے"!

اتنا کہکر سر احسان بیٹھ گئے اور سارے مہمان کسی غیر معمولی اثر سے متاثر ہو کر انکی طرف جھک سے گئے۔ مین نے دیکھا کہ مہارانی گھبرا گھبرا کر متاثر ہو کر انکی طرف دیکھتی اور کچھ کہنا چاہتی تھین۔ لیکن چپ رہجاتی تھین انکا گلاب سا چہرہ افسردہ ہو گیا تھا۔ اور

پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلک رہے تھے، سر احسان نے پانی کا پھر ایک گھونٹ پیا اور بیٹھے ہی بیٹھے کہنا شروع کیا۔ کمرہ مین سناٹا تھا ہماری سانسین تیزی سے چل رہی تھین، خادم کمرہ سے باہر چلے گئے تھے

"دوستو۔ آج سے پندرہ سال قبل مین شہر گیا مین ضلع کا ایک معمولی بیرسٹر تھا۔ چھوٹی جگہ تھی۔ وکیلون کا زور تھا، میرا اپنا آبائی مکان تھا مختصر سی جائیداد بھی تھی، سادہ زندگی تھی۔ خوشی کے ساتھ سفید پوشی سے کٹی جاتی تھی۔ میری شادی خاندان ہی مین ہوئی تھی۔ لیکن میری بیوی کا شادی کے دوسال بعد انتقال ہوگیا تھا، صرف ایک لڑکا تھا" سر احسان کچھ دیر کے لئے پھر چپ ہوگئے۔ مین نے دیکھا کہ مہارانی کا اضطراب بڑھتا جارہا تھا، سانس چڑھ رہی تھی اور آنکھون سے خوف کی جھلک نمودار تھی۔ سر احسان کی آواز اور بھی دھیمی تھی۔ اور گویا وہ ہمارے سوا کسی دوسرے کو مخاطب کر رہے تھے یا اپنے دل سے بول رہے تھے۔

"میرے بچے نے میری مان باپ کے ساتھ پٹنہ مین پرورش پائی تھی۔ وہین پڑھتا بھی رہا تھا، صرف چھٹیون مین میرے پاس چلا آیا کرتا تھا۔ اب جوانی کا آغاز تھا، مسین بھیگ رہی تھین۔ بی۔ اے کا امتحان دیکر میرے پاس آیا تھا۔ مین نے اوسکی دلبستگی کے لئے گراموفون منگا دیا تھا۔ ناول خرید دیئے تھے، گھوڑا لے دیا تھا، غرض اسکی دلجوئی مین ہر طرح کوشان تھا۔ اور اسپر اپنی جان فدا کرنیکو ہر طرح موجود تھا۔ اسوقت یہ اپنی مان سے بہت مشابہ تھا۔ اور جب مین اسے دیکھتا تھا تو اسکی مان کی تصویر میری آنکھون کے سامنے آجاتی تھی" (باوجود ضبط سر احسان کے آنکھون سے آنسو ٹپکنے لگے اور ہر شخص انکی یہ حالت دیکھکر بہت متاسف تھا)

"ایک روز مین ایک سنگین مقدمہ مین مشورہ کے لئے کہین گیا ہوا تھا۔ دیر ہوگئی۔ رات کے بارہ بجے واپس آیا۔ اور سو رہا۔ دو بجے ہونگے کہ ایک جگر خراش چیخ کی آواز آئی اور مین چونک کر اوٹھ بیٹھا، دوسری بار پھر چیخ کی آواز آئی اور بیقراری کے ساتھ تڑپ کر مین مکان کے اوس طرف دوڑا جہان میرا بچہ سویا کرتا تھا۔ لالٹین دھیمی جل رہی تھی۔ مین نے قریب پہونچکر دیکھا کہ میرا بچہ پلنگ کے کنارے بیٹھا دونون ہاتھون سے کلیجہ کو سنبھالے جھکا ہوا خون تھوک رہا ہے۔ یہ دیکھکر بیقراری اور بیتابی سے ایک دل ہلا دینے والے کرب کے ساتھ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ مین نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اُسے سینے سے لگا لیا۔ اوسکی حالت پوچھی اور اوسنے رک رک کر ہچکیان لےلیکر اپنا دکھڑا سنایا۔ مین نے خادم کو جگایا۔ ڈاکٹر کے گھر بھیجا، مگر بھلا دو بجے رات کو ڈاکٹر جلدی کیا آسکتے تھے دیر ہوئی۔ مین سر پیٹتا رہ گیا۔ اور میرے بچے نے میری گود مین تڑپ کر جان دیدی" (سر احسان کے ہچکیان بندھی تھین۔ آنکھون سے آنسو جاری تھے)۔

"دوستو۔ اب میرے لئے کیا باقی رہگیا تھا۔ دنیا آنکھون مین اندھیر تھی اور زندگی برباد۔ ایک مدت تک میری حالت دیوانون کی سی رہی۔ سخت علیل ہوگیا۔ تبدیل آب و ہوا کے لئے یورپ چلا گیا۔ ڈیڑھ سال کے بعد جب گیا واپس آیا تو ہر کونہ مین خون کے دھبے نظر آنے لگے۔ رہ رہکر جگر خراش چیخ کی آواز سنائی دینے لگی۔ گھر کاٹے کھاتا تھا۔ مین نے اسے بیچ کر اسکی قیمت یتیم خانہ کو بھیجدی، اور کلکتہ آکر پریکٹس شروع کی۔ خدا نے میری زبان مین اثر دیا۔ کام اچھا چلنے لگا۔ مقدمات نکلنے لگے اور دو تین سال مین ایک مشہور اور نامی بیرسٹر ہوگیا"

سبھون نے سمجھا کہ یہ دکھ بھری داستان ختم ہوگئی۔ مگر گو مین سر احسان کی تقریر کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ میری نظر مہارانی کے چہرہ پر تھی۔ ایک عجیب انتشار اور گھبراہٹ کا عالم تھا۔ سارا جسم کانپ رہا تھا۔ رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ سر احسان نے پھر شروع کیا
"حضرات آپ یہ سننے کے منتظر ہونگے کہ آخر میرے بچے کو ہو کیا گیا تھا

"میرے دوستو۔ گیا مین میرا مکان اوس سڑک پر تھا جو چوک کے پشت پر واقع ہے۔ میرے مکان کے سامنے منا نامی ایک طوائف رہتی تھی اور اوسکی ایک لڑکی تھی تارہ۔ ......" سر احسان کی زبان سے یہ نام نکلا ہی تھا کہ مہارانی کے منہ سے ایک دل ہلا دینے والی چیخ نکلی "نواب صاحب۔ ......" شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھین لیکن سر احسان نے ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا۔

"دوستو۔ جس زمانہ کا مین ذکر کر رہا تھا۔ تارہ ان دنون جوان ہو رہی تھی اسکے حسن کے چرچے ہونے لگے تھے۔ ذہین اور طبیعت دار تھی۔ اچھا گانے لگی تھی۔ مجرے شروع ہوگئے تھے۔ اور دو ایک ریاستون مین بھی ہو آئی تھی میرا بچہ اپنے شباب کے آغاز مین اسپر عاشق ہوگیا۔ وہ مجھسے چھپ چھپ کر اسکے گھر جانے لگا۔ مگر اسکے گھر پہ کسی راجہ کا ملازم آیا ہوا تھا۔ تارہ کی مان نے اسے آنے جانے سے منع کیا۔ مجھے مطلع کردینے کی دھمکی دی۔ مگر کمسن بچہ اور وہ بھی پہلا عشق تارہ ابھی اسکی طرف ملتفت تھی۔ آخر ایک دن مان بیٹی مین بحث ہوگئی۔ مان نے عشق کی آزمایش کے لئے تارہ سے فرمایش کی کہ وہ میرے بچے کو شراب پلائے۔ دوسری رات جب میرا بچہ گیا تو تارہ نے شراب بڑھائی اس نے انکار کیا۔ لیکن جب تارہ نے یہ کہا کہ مان نے عشق کی یہی آزمایش رکھی ہے تو اسنے پیلی۔ دوستو۔ ممکن ہے کہ تارہ کو نہ معلوم ہو کہ اس شراب مین کیا ملا تھا۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ اس شراب نے چند گھنٹون مین مجھسے میرے جگر کے ٹکڑے کو ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا کر دیا۔"

"دوستو۔ دم توڑتے ہوئے بچے نے مجھسے دو وعدے لئے تھے۔ ایک تو یہ کہ اسکی اس طرح کی موت کی کسی کو خبر نہ دونگا۔ میرا بچہ بڑا غیور تھا اسے عزت کا بڑا خیال تھا۔ اور مرتے وقت بھی یہی خیال تھا کہ خاندان کے نام پر دھبہ نہ لگے۔ اور دوسری یہ فرمایش تھی کہ مین اپنی بیوی کے زیورات تارہ کو دیدون کیونکہ وہ تارہ سے انکا وعدہ کر چکا تھا"

"میرے عزیز دوستو۔ پہلی فرمایش مین نے آج تک پوری کی۔ لیکن دوسری فرمایش کے لیے جب مین نے پوری سے واپس آکر سنا اور تارہ کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دونون اس کے مرتے ہی شہر سے کہین اور مقام پر چلی گئی تھین۔ مین نے بڑی کوشش کی مگر پتہ نہ چلا۔"

(سر احسان پھر چپ ہوگئے۔ اور مین نے دیکھا کہ چیف جسٹس اور پولیس کمشنر متوحش نظر آرہے تھے)

"دوستو۔ میری داستان ختم ہوگئی۔ صرف چند کلمے اور ہین۔ ابھی چند دن ہوئے مین ایک مقدمہ مین بمبئی گیا ہوا تھا وہان ایک رات جی گھبرایا تو تھیٹر چلا گیا۔ مگر آپ میری حیرت کا اندازہ نہین کرسکتے جب مین نے دیکھا کہ وہی تارہ اسٹیج پر کھڑی گا رہی تھی۔ مزید احتیاط کے لئے مین نے اپنا کارڈ بھیجا اور انکے ڈریسنگ روم مین انسے ملاقات کی۔ یہ مجھے بالکل پہچان نہ سکی کیونکہ میرا نام بدلا ہوا تھا پہلے داڑھی نہ تھی، اور اب سفید داڑھی ہے۔ بہرحال مجھے یقین ہوگیا کہ تارہ یہی ہے۔ حضرات مین اتنی مدت کے بعد آج اپنے بیٹے کی قاتلہ سے بیٹھا گفتگو کر رہا تھا۔ دل مین ہزارون طرح کے جذبے پیدا ہو رہے تھے۔ بچے کی صورت

آنکھون کے سامنے تھی۔ خون کے دھبے ہر طرف نظر آرہے تھے۔ تارہ کا گلا گھوٹنے کو بیقرار ہورہا تھا........" ابھی سر احسان نے اپنا جملہ ختم بھی نہ کیا تھا کہ مہارانی غش کر گئین۔ ہم سب اونکی طرف دوڑے۔ مگر سر احسان نے ہمین اپنے اپنے مقام پر بیٹھے رہنے کو کہا۔

"دوستو۔ کیا اب اس کے کہنے کی ضرورت ہے کہ وہ تارہ کون تھی۔ آپکی اور ہماری مہارانی، چندراوتی"

ہم سبھو نکا حیرت سے عجیب عالم تھا۔ "کہان فتح پور کی مہارانی اور کہان گیا کی ایک طوائف"

مہارانی غش سے چونک رہی تھین، "سر احسان۔ نواب صاحب رحم۔ خدا جانتا ہے مین زہر سے واقف نہ تھی۔ میری مان نے مجھے بھی دہوکا دیا تھا"

سر احسان نے مسکرا کر کہا۔ "بیوی۔ ہر چند مجھے آپکے بیقصور ہونیکا یقین ہے مگر مین پھر بھی آپ کا دیکھنا گوارا نہ کرتا اگر مجھے اپنا وعدہ پورا کرنا نہ ہوتا،"

سر احسان نے اوٹھ کر گھنٹی بجائی۔ اور ایک بوڑھا خادم لکڑی کا ایک پرانا صندوقچہ لے آیا۔ سر احسان نے اُسے کھولکر چاندی سونیکے معمولی معمولی پرانے اور میلے زیور نکالے اور ایک ایک کرکے مہارانی کو پہنانے لگے۔ ہم سب ساکت متحیر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ مہارانی کی خوفزدہ آنکھین سر احسان کے ہاتھونکی ہر گردش کو گھوم گھوم کر دیکھ رہی تھین۔ مہارانی کے جسم پر قیمتی جواہرات کے ساتھ یہ بھدے گہنے عجیب طرح کے معلوم ہو رہے تھے

سر احسان کے گھنٹی بجاتے پر اوسی بوڑھے خادم نے الماری کھولکر شراب کی ایک بوتل نکالی اور سر احسان کے سامنے رکھکر چلا گیا سر احسان نے اپنا گلاس بھر لیا۔ اور کھڑے ہو کر کہنے لگے۔

"میرے معزز دوستو۔ مین آپکا بہت ممنون ہون کہ آپ اتنی دیر تک میری پُرغم داستان سنتے رہے۔ مگر آج کی صحبت غنیمت تھی اور مجھے آپکو اسکا شاہد بنانا تھا کہ مین نے اپنا وعدہ پورا کردیا۔ رہگیا مہارانی چندراوتی کا فیصلہ وہ خدا کے ہاتھ مین ہے۔ ہان اتنا ضرور ہے کہ اب مجھے دنیا مین زندہ رہنے کی ضرورت نہین" یہ کہکر سر احسان نے ہماری طرف سر تسلیم خم کیا اور اپنے گلاس کی شراب دفعتہً پیگئے۔ اور ساتھ ہی جھوم کر گرے۔ کرنیل چانسلر نے دوڑ کر انکی نبض ہاتھ مین لیلی۔ مگر طائر روح جسم سے پرواز کر چکی تھی۔ ہم سب پریشانی کے عالم مین سر احسان کے گرد کھڑے تھے کہ مہارانی بھی چیخ کر گرین۔ چیف جسٹس نے دوڑ کر سنبھالا۔ مگر وہ بھی دم توڑ رہی تھین۔ اور زہر آلود شراب کی باقی نصف بوتل بھی خالی ہو چکی تھی

سید علی اکبر کاظمی۔ بی۔ اے

(کیمبرج)

علم فراست الید:۔ اگر آپنے ابتک نہین ملاحظہ کی تو اب طلب فرمایئے قیمت علاوہ محصول (عہ) **مینیجر نگار لکھنؤ**

حقیقت منصور

آن شوخ حدیثے کہ حلالست در و خون
بر دار توان گفت و بہ منبر نتوان گفت

ہفتاد و دو ملت اندر دین کم و بیش — از ملتہا عشق تو دارم در کیش
چہ کفر و چہ اسلام چہ طاعت چہ گناہ — مقصود توئی بہانہ بردار ز پیش

(عمر خیام)

عشق کی تعمیر ہمیشہ انسان کے خون سے ہوئی ہے، اُسکے سر بہ فلک قصر نے اپنی آرایش اور اظہار شان کے لئے ہمیشہ گردن کے خون سے گلکاریوں، جگر کے ٹکڑون سے رنگ آمیزیون اور دل صد پارہ کے اجزا سے پھول پتیان بنانے کا مطالبہ کیا ہے

آہ اور نالے اس کے نصیب، حسرت و یاس اس کے علمبردار آنسو اس کے ترجمان ہین، چہرے کی زردی اسکا خاص رنگ ہے قید مصیبت مین گرفتار ہونے والون کا نام اس کی اصطلاح مین "یوسف" آگ مین جلنے والون کا لقب "خلیل" حلقہ دار و رسن مین تڑپ کر جان دیدینے والون کا عرف عام "منصور" ہے اور بھرے یار و مددگار، بھوکے، پیاسے رہ کر جان، مال، اولاد، تمام متاع ہستی لٹا دینے والا "حسین" کہا جاتا ہے (علیہ الصلوٰۃ والسلام):-

دل لگا ہو تو جی جہان سے اُٹھا — موت کا نام پیار کا ہے عشق (میر)

عشق کی دنیا، اس مادی دنیا سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے، اس کا قانون عقل کے مطابق نہین ہوتا بلکہ خود عقل اس کے قانون کے تابع ہوتی ہے، عاشق "ہمہ اوست" کہکر تمام بندشون سے آزاد ہو جاتا ہے

غوغائے عشق و شور جنون ماجرائے عقل — افسانہ تو، قصہ تو، داستان تست

شیخ سعدی نے اس مسئلہ کو مفتی عشق کی زبان مین اور زیادہ صاف کر دیا ہے:-

عاشقے می گفت و خوش می گریست — جان بیاساید چو جانان قاتلست
سعدیا نزدیک رسم عاشقان — خلق مجنون نند و مجنون عاقلست

آئے منصور کو اسی دنیا مین تلاش کرین، حضرت شیخ عطار[رح] فرماتے ہین:-

"منصور کا معاملہ معاملہ عجیب تھا، اس کے واقعات عجائب اور غرائب سے بھرے ہوے ہین، وہ عاشق صادق، پاکباز، عالی ہمت، رفیع المرتبت تھا (مختلف علوم و فنون مین) اس کی تصانیف بہت ہین، جن مین حقائق و اسرار کا یہ عالم ہے کہ عام فہم اور سطحی عقل دونون کی سمجھ سے باہر ہے، فصاحت اور بلاغت، تصوف اور عقلیات مین کوئی اسکا ثانی نہ تھا"

اقوال و آرا

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

جس طرح "دل" کا نام قلب۔ فواد۔ حشا۔ مضغہ، گوشت، مخروطی شکل کا ٹکڑا وغیرہ ہے اسی طرح "منصور" بھی مختلف اصطلاحون مین مختلف نامون سے یاد کیا جاتا ہے:۔

۱۔ اکثر مشائخ کہتے ہین کہ "اس کو تصوف مین کچھ دخل نہ تھا"

۲۔ عبد اللہ خفیف۔ شبلی۔ ابو القاسم قشیری کے نزدیک "منصور" مقبول ہے

۳۔ بعض مشائخ نے "ساحر" کہا

۴۔ بعض اہل ظاہر کے نزدیک وہ کافر تھا

۵۔ بعض اصحاب، اس کے عقیدۂ حلول پر اعتراض کرتے ہین

۶۔ بعض، "تولی اتحاد" کا الزام رکھتے ہین

۷۔ شیخ فرید الدین عطار کہتے ہین کہ "جو لوگ تصوف کا دعویٰ کرتے ہین اور منصور پر اس قسم کے الزامات عائد کرتے ہین، وہ یقیناً رمز توحید سے واقف نہین"

تذکرۃ الاولیا مین ہے کہ "بغداد مین زنادقہ کی ایک جماعت تھی جو حلول اور اتحاد کی قائل تھی اور غلط فہمی سے اپنے کو "منصور" کا پیرو کہتی تھی۔

بعض کی رائے ہے کہ منصور حلاج کے علاوہ ایک اور منصور بھی تھا جو ملحد اور زندیق تھا

انا الحق

لفظ انا الحق کے متعلق جو منصور کے ذمہ سب سے زیادہ مہلک، سب سے زیادہ خطرناک الزام ہے شیخ عطار فرماتے ہین:۔ "تعجب ہے کہ درخت سے آواز "انا اللہ" آئے تو اس پر تعجب نہ کیا جائے منصور اگر "انا الحق" کہتا ہے تو ملزم ٹھہرتا ہے، حدیث مین ہے کہ "ان الحق لینطق علی لسان عمر" اس جگہ نہ تو حلول کی بحث پیدا ہوتی ہے اور نہ اتحاد کی لیکن "منصور" کی زبان پکڑی جاتی ہے، قتل کیا جاتا ہے، جلایا جاتا ہے، اسکی خاک برباد کی جاتی ہے۔

قرآن حکیم مین موجود ہے "وفی انفسکم افلا تبصرون" خدا کے عشق کا جلوہ کہان نہین؟ عالم صغیر (انسان) مین بھی ہے۔ عالم کبیر (ہستی) مین بھی، پھر علمائے ظاہر اس کے متعلق کیا کہتے ہین!

اس کے علاوہ اس لفظ پر ایک مختصر بحث اور بھی ہے، جو تفصیل کے ساتھ ایک مضمون مین شایع ہو چکی ہے۔ مرکب "انا الحق" مین لفظ "حق" اسم صفت ہے اسم ذات نہین، پس اگر کوئی شخص کہے کہ مین سراپائے حق ہون از سرتا سر راستی ہون تو کیا قباحت لازم آتی ہے؟ اسی سلسلے مین پھر بھی پیش نظر رکھ لینا چاہیے کہ قرآن حکیم مین حضور سرکار

کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ "ما ینطق عن الھویٰ ۔۔۔۔ وحی یوحیٰ"

خود حضرت جبرئیل کی زبانی پیام "انا ربکم الا علیٰ" کی بابت کسی نے حامل وحی یا رسول اللہ صلعم پر ادعائے ربوبیت کا الزام نہیں لگایا۔

ابوعبداللہ خفیف نے صاف صاف کہا ہے کہ "منصور" عالم ربانی تھا، حضرت شبلی نے کہا ہے کہ "مین اور منصور دونون ایک چیز ہین، مین دیوانہ بنکر چھوٹ گیا، منصور کو دعویٰ عقل نے برباد کردیا"

حضرت امام غزالی اور مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہم نے پرزور الفاظ مین "منصور" کی حمایت اور تائید کی ہے۔

حالات

منصور حلاج" نواح ایران کا رہنے والا تھا، دوسرا منصور بغداد کا رہنے والا "محمد زکریا" کا استاد، اور ابوسعید قرمطی کا دوست اور مشیر تھا، اس کے دھوکے مین منصور حلاج کو لوگون نے بے دلیل کافر اور ساحر کہا ہے۔ منصور حلاج کے حالات دیکھو اور واقعات سنو پھر اپنے دل سے سوال کرو دیکھو وہ کیا کہتا ہے؟

"منصور" سترہ سال کی عمر سے پہلے سہل بن عبداللہ کی خدمت مین دو برس رہ کر، ۱۸ سال کی عمر مین عازم بغداد ہوا، بغداد سے بصرہ آیا، یہان ۱۸ مہینہ تک عمرو بن عثمان مشہور عالم اور صوفی کی خدمت مین رہا۔ یعقوب اقطع مشہور بزرگ نے اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کردیا، اس اثناء مین عمرو بن عثمان اس سے ناخوش ہوگئے، اس لئے وہ بغداد چلا آیا، بغداد سے مکہ معظمہ گیا وہان مدت تک رہا، مکہ سے پھر بغداد آیا اور ایک روز حضرت جنید کی خدمت مین حاضر ہوا اور چند سوالات کئے، حضرت جنید نے کچھ جواب ندیا اور کہا کہ "وہ زمانہ قریب ہے جب تم سولی کے تختے کو سرخرو کروگے"

منصور نے کہا "درست ہے! مین جس روز سولی کے تختے کو سرخرو کرونگا، تم اہل ظاہر کے لباس مین ملبوس ہوگے" چنانچہ ایسا ہی ہوا جب ائمہ شریعت نے منصور کے قتل کا فتویٰ صادر کیا، جنید نے اسوقت تک فتوے پر دستخط نہ کئے جب تک جامۂ تصوف مین تھے، لیکن جیسے ہی مدرسہ مین آئے لکھدیا "نحن نحکم بالظاھر" ہم (علمائے شریعت) ظاہر حال پر فتویٰ صادر کرتے ہین، منصور کا ظاہر یہ ہے کہ وہ واجب القتل ہے باطن کا حال خدا جانتا ہے"

"منصور" نے اپنے سوالون کا جواب نہ پایا تو وہ خلوت نشین ہوگیا، اس حال مین ایک سال تک رہا اس درمیان مین اسکی شہرت مقبول عام ہوگئی، اس چیز نے اس کو ہمعصرون مین محسود بنادیا، پھر خلوت راز سے باہر آیا اور مختلف مقامات کا سفر کیا وہ جہان کہین جاتا معتقدون کی بھیڑ لگجاتی

مکہ پہونچا تو یعقوب نہرجوری نے اس کی بابت سحر کا فتویٰ دیا۔

مکہ سے بصرہ اور بصرہ سے اہواز آیا، اہواز سے ہندوستان، ہندوستان سے چین پہونچا، ہر جگہ تبلیغ و اشاعت کرتا رہا، اہل چین کے لئے اس نے کتابین لکھین۔ ہر ملک نے اس کو جداگانہ خطاب دیا:-

اہل ہند ابوالمغیث، اہل چین ابوالمعین، اہل خراسان ابومہر، اہل فارس ابوعبداللہ، اہل خوزستان، حلاج الاسرار،

اہل بغداد مصطلم - اور اہل بصرہ مجبّر کہتے تھے۔

وہ پھر مکہ آیا اور دو سال تک حرم کا مجاور رہا، وہان سے آنے کے بعد اس مین تغیر عظیم پیدا ہو گیا، وہ ایسے الفاظ کہتا تھا کہ عام طور پر اس کے معنی سمجھ مین نہ آتے تھے۔ اسی حال مین وہ شہر بدر کیا گیا:۔ ؎

کعبہ مین جان بہ لب تھے ہم دوریِ بتان سے (میر) آئے ہین پھر کے یارو ابکی خدا کے یان سے

مشہور ہے کہ وہ رات دن مین روزانہ چار سو رکعتین (نماز کی) التزاماً پڑھتا تھا ؎

آدمی دہر مین یا خانہٗ واور مین رہے سر رہے دوست کے سجدے مین کسی گھر مین رہے (کامل)

(اسرارِ منصور)

کسی نے منصور سے پوچھا کہ "تم اس درجۂ اعظم پر ہو نچکر رنج و بلا مین کیون گرفتار ہو"؟ اس نے جواب دیا کہ "رنج اور راحت کا کچھ اعتبار نہین کیونکہ یہ دونون فانی ہین ؎

اسیر زلف کرے قیدی کمند کرے پسند اس کی ہے وہ جس طرح پسند کرے (امیر)

منصور نے ایک روز بیان کیا کہ "مین نے پچاس سال کی عمر سے پہلے کوئی مذہب اختیار نہ کیا، البتہ تمام مذاہب مین جو چیز سخت سے سخت تھی اختیار کی، پچاسوان سال شروع ہوا تو نماز ادا کرنے لگا کوئی نماز بغیر غسل نہین پڑھتا ؎

آدابِ جنون چاہئے ہمسے کوئی سیکھے دیکھا ہے بہت یارون نے آشفتہ سرونکو

"عرفات" مین لوگ جمع ہین، الحاح اور زاری سے عبادت و دعا مین مشغول ہین، منصور آتا ہے اور خاموش بیٹھ جاتا ہے، حاضرین سے میدان خالی ہو جاتا ہے تو سر بسجود ہو کر کہتا ہے

اے میرے بادشاہ! اے عزت دینے والے تو تمام تسبیح کرنے والون کی تسبیح اور تہلیل کرنے والون کی تہلیل سے پاک اور برتر ہے، تو جانتا ہے کہ مین تیرا شکر ادا کرنے سے عاجز ہون، حقیقی شکر گزاری یہی ہے کہ تو میری طرف سے اپنا شکر ادا کر

یار و خصوصیت تو رہے اپنی اس کے ساتھ میرا کہو جو حال تو اس سے جدا کہو (میر)

ایک روز جنگل مین گزرا، ابراہیم خواص کو دیکھا بیٹھے ہوئے ہین، پوچھا "کیا کر رہے ہو"؟ جواب دیا "مقام توکل مین لباس توکل درست کر رہا ہون" منصور نے کہا "چہ خوش! عمر بھر تو پیٹ کو آباد کیا اس پر دعوائے توکل ہے! کجا شکم پری اور کجا توکل از توحید" حالانکہ عشق و محبت مین کھانا پینا اس کا نام ہے:۔

لو ہو اپنا پیتا ہون تلوارین اس کی کھاتا ہون (میر)

کسی نے پوچھا کہ "خدا تک رسائی کی منزل کتنی دور ہے؟"

جواب ملا "صرف دو قدم، ایک قدم دنیا سے اُٹھاؤ دوسرا عقبی سے، بس پہونچ گئے" ؎

دل ہی کو وہ دل مین ہے موجود آنکھ بیتاب نارسائی ہے (کیفی)

کسی نے سوال کیا "فقیر" کیا چیز ہے"؟ جواب دیا "فقیر وہ ہے جو غیر اللہ سے مستغنی اور اللہ کا ناظر اور طالب ہو" ؎

جب سوائے خدا نہین موجود اور ہستی کی شکل کیا کہئے (کیفی)

حقیقت معرفت کا سوال کیا گیا تو اس کے جواب مین کہا کہ:-

"معرفت کے معنی یہ ہین کہ ہستی کی تمام اشیا دیکھی جائین لیکن حقیقتاً "فانی سمجھی جائین"

پھر کہا کہ "بندہ جب مقام معرفت مین پہونچ جاتا ہے، غیب سے اس پر نزولِ وحی ہوتا ہے جو زبانِ اسرار کو گنگ کر دیتا ہے تاکہ اس کے خیال مین غیر حق اور کوئی چیز باقی نہ رہ جائے" ؎

خاموش رہ سکے نہ تو بڑھ کر کبھی کچھ نہ پوچھ سر شمع کا کٹے ہے زبانِ و راز سے

یعنی: ع یکام ناست اگر او زبان بجنباند

ایک بار کہا کہ :-

"خلق عظیم" کی تعریف یہ ہے کہ کسی کی جفا کا اثر دل قبول نہ کرے" کیونکہ جس دل مین "حق" جلوہ گر ہے اس کو اس کی فرصت کہان؟ ؎

غیرون کا ساتھ موجب صد وہم ہے بتو! اس امر مین خدا بھی کہے تو نہ مانئے (میر)

کہا کہ "زبانِ گویا، خموشی دل کے لئے ہلاکت کا نام ہے، پھر کہا کہ اسباب و علل کے متعلق گفتگو کرنے سے زبان پر مہر خموشی لگا دی گئی ہے، افعال کی نسبت کچھ کہنا "شرک" ہے "حق" ان دونون سے منزہ اور مُبرا ہے، قرآن مین ارشاد باری ہے وما یومن اکثرھم باللہ وھم مشرکون" ؎

مدعی صحبت با ہر حدیث زیر لبی ست کہ اہل ہوش عوامند و گفتگو عربی ست

ایک استفسار کے جواب مین کہا کہ:-
دیکھنے والون کی آنکھین، عارفون کی معارف، علمائے ربانی کے انوار علم وہدایت سابقان ناجی کے طریقے، ازلی اور ابد اور جو کچھ اس کے درمیان ہے معرض حدوث مین ہین، لیکن اس کو کون جانتا ہے؟ وہی جس کے متعلق ارشاد ہوا ہے:- "لمن کان له قلب او القی السمع وھو شہید"

ایک شخص کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ "ہم طالبان حق اس کے امتحان اور آزمایش کی تلاش مین اسی طرح رہتے ہین جیسے بادشاہ "ملک جدید" کی طلب مین رہتا ہے ؎

دنیا کی قدر کیا جو طلبگار ہو کوئی　　کچھ چیز مال ہو تو خریدار ہو کوئی

ایک بار کہا کہ:-
"انسان کا وقت صدف، سینہ دریا ہے، قیامت کے دن یہ صدف زمین پر ٹپک دی جائیگی

ایک سوال کے جواب مین کہا کہ:-
"ترک دنیا زہد نفس، ترکِ آخرت زہد دل اور ترک خودی زہد جان ہے" ؎

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا　　خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

کسی نے پوچھا صبر کس چیز کا نام ہے؟ جواب دیا "سر کاٹ دینا، ہاتھ پانون کا جسم سے علیحدہ کرا دینا اور سولی پر لٹک جانا"

عشق معراج سر بلند یہاست　　سرِ عاشق بدار می آید　　(حزین)

ایک روز منصور نے شبلی سے کہا کہ "اے ابوبکر مین نے اہم کام کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے اس مین خوشی سے سر کٹوا دُنگا" اس کے بعد واقعات قتل کی ابتدا ہوگی ؎

بجرم عشق توام میکشند و غوغائیست　　تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

جب معتقدون اور حلقہ بگوشون کی کثرت شروع ہوگئی، اور منصور کا اثر دلون مین اور اس کی تعظیم زبانون پر جلوہ گر ہوئی تو وہ سب کچھ ہونے لگا جو ایسے وقت ہوا کرتا ہے۔

عاشق کا غماز آنسو بھی ہوتا ہے اور رنگِ زرد بھی، چہرے کی خشکی بھی راز فاش کرتی ہے اور آہِ سرد بھی، یہ سب چیزین اقلیم عشق مین مہلک جرم ہین جو کبھی معاف نہین کیا جاتا ہے

ہشیار کہ ہے راہ محبت کی خطرناک　　　مارے گئے ہین لوگ بہت بیخبری سے　　(میر)

"منصور" جب منصور نہ رہا تو کہنے والون نے اس پر الزام لگائے، خلیفہ وقت سے شکایت کی مفتی شریعت نے فتویٰ دیا کہ "بگیر و بکش" قضا و قدر نے تسلیم کیا، سرہنگانِ عقوبت نے موافقت کی، مادی دنیا کی ہوا خلاف ہو گئی، بحرانتقام مین طوفان آ گیا کہ ایک ذرۂ آفتاب صورت، ایک قطرۂ بحرنما کو بہا لیجائے:-

خسرو غریب خستہ را خون ریختن فرمودہ ست　　　خلقے بمنت یکطرف آن شوخ تنہا یکطرف　　(خسرو)

کسی نے کہا "منصور انا الحق" چھوڑ کر "ہوالحق" کہہ" جواب دیا:-

"وہی سب کچھ ہے، ہوالحق کے معنی یہ ہین کہ وہ گم ہے منصور موجود ہے انا الحق" کے معنی ہین کہ وہ موجود ہے منصور گم ہے، کیونکہ وہ دریا ہے اور مین قطرہ، دریا کبھی گم نہین ہوتا"

لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو　　　کیا جانئے جان ہے کہ تن ہے　　(میر)

سبحان اللہ عما یشرکون:-

ہوش تھا جب تھی جستجو اُن کی　　　مل گئے وہ تو کھو گیا ہون مین　　(کیفی)

(آغاز امتحان)

غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق　　　صد منزل است و منزلِ اول قیامت است　　(عرفی)

کسی نے حضرت جنید سے کہا کہ "منصور" جو کچھ کہتا ہے اس کی تاویل ہو سکتی ہے" جنید نے کہا کہ "اہل ظاہر تاویل نہین دیکھتے پانی سر سے گزر چکا ہے"

قطع ہوتا ہے کفن اے انتہائے طول عمر　　　ٹھیک اب تن پر نہین شاید قبائے زندگی　　(کیفی)

کہنے والون نے معتصم سے کہا، اس کے وزیر علی بن یحییٰ نے بھڑکایا، حکم ہوا کہ "منصور" کو قید مین ڈال دو

روح آزاد ہے خیال آزاد　　　جسم حسرت کی قید ہے بیکار　　(حسرت)

سرگزشتِ زندان

دے پھڑکنے کی اجازت صیاد　　　شب اول ہے گرفتاری کی

قید کی پہلی رات وہ "زندان" مین نظر نہ آیا، دوسرے روز زندان بھی نظرون سے غائب تھا، تیسرے روز دونون کو موجود پایا، لوگون نے پوچھا "پہلی رات تم کہان تھے؟ جواب دیا اپنے مطلوب کے حضور مین، دوسرے روز مطلوب میرے پاس تھا اسلئے

نہ مین تھا اور نہ زندان:۔ ع

نکلے جو خورشید تو شبنم کہاں؟

تیسرے روز حکم ہوا کہ "جاؤ اور حکم شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کرو" اس لئے مین واپس آ گیا، مفتیانِ شریعت کو جو کچھ کرنا ہے شوق سے کر ڈالین ۔

حاش للّٰہ گل کند بوی شکایت از لبم ماوفاداری بآن نامہربان بسپردہ ایم (حزین)

"منصور" زندان مین روزانہ ایک ہزار رکعتین نماز ادا کرتا تھا کسی نے پوچھا کہ "جب تم خود "حق" ہو تو نماز کس کی ادا کرتے ہو؟ جواب دیا "مین اپنی قدر خود جانتا ہون ۔

اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل مین کوچۂ رقیب مین بھی سر کے بل گیا (مومن)

زنجیر آزمایش کی دوسری کڑی

مفتیانِ شریعت نے اس زر خالص کو تاؤ دینے کے لئے حکم دیا کہ "اس کو اتنے کوڑے لگائے جائین کہ اپنے قول سے پھر جائے" ۔

دوستان در صفِ ہنگامۂ مرگم جمعند کاش آن دشمنِ جان ہم بتماشا برسد

کہا جاتا ہے کہ تین سو ساٹھ کوڑے لگائے گئے، لیکن اس ترشی نے نشہ اور تیز کر دیا:۔

کھویا گیا اس مین گو دل اپنا پر یار تجھے تو پا گئے ہم (میر حسن)

مشہور ہے کہ ہر کوڑے کے ساتھ آواز آتی تھی "منصور خوف نہ کرنا ہم تیرے پاس ہین" سبحان اللہ! اس ناز نیاز کا کیا کہنا:۔

بچہ ناز رفتہ باشد زجہان نیازمندے کہ بوقتِ جان سپردن بہ سرش رسیدہ باشی

اللہ! اللہ!! عاشق کی نیازمندی اس دلدہی پر اس کے سوا کیا کہہ سکتی ہے؟

آپ پچھتائین نہین جو اسے تو بہ کرین آپ گھبرائین نہین داغ کا حال اچھا ہے (داغ)

عاشق کا سرمایۂ ایمان اور متاعِ دل و جان تو صرف اس لئے ہے کہ معشوق کے راہِ طلب و رضا مین نثار کر دئے جائین:۔

سرو سامان نثارِ تو کدام ست مرا در کفم چیست بگو جان ز تو ایمان از تو (حزین)

عبد الجلیل صفّار بیان کرتے ہین کہ "مجھ کو اس آواز پر اتنا تعجب نہ تھا جتنا اس پر تھا کہ آواز سننے والے اجرائے احکام شرعیہ کے مقابلہ مین اس سے بالکل متاثر اور مرعوب نہ ہوئے:۔

کہ بی حکم شرع آب خوردن خطاست وگر خون بہ فتوی بریزی رواست (سعدی)

آزمایش کی تیسری کڑی

اب "منصور" کو سولی دینے کے لئے کشاں کشاں لیجا رہے ہین، اس طرف قطرہ دریا مین ملجانے کے لئے بیتاب ہے۔

ایک درویش نے پوچھا "عشق کی حقیقت کیا ہے"؟ منصور نے کہا "آج، کل، پرسون تم خود دیکھ لوگے" چنانچہ پہلے دن

اسکو سولی دیگئی دوسرے روز اسکی لاش جلائی گئی، تیسرے روز خاک بھی برباد کردیگئی:۔

اور عاشق مزاج ہے کوئی درد کا قصہ مختصر دیکھا؟ (میر درد)

"منصور" کے خادم نے درخواست کی کہ "مجھے کچھ وصیت کیجئے" کہا "اپنے دل کو ایسے کام مین لگاؤ جو کرنے کے قابل ہو، ورنہ تمھارا دل اس کام مین تمکو لگا دیگا جو کرنے کے قابل نہین" اس کے بیٹے نے پوچھا "میرے لئے کیا وصیت ہے" کہا "علم حقیقت حاصل کرو، ہستی کے کوئی چیز اس کے پاسنگ بھی نہین"

یہ کہا اور دار کی طرف اکڑتا، ہنستا، بل کھاتا ہوا چلا، لوگون نے پوچھا کہ یہ انداز کیون ہے؟ جواب دیا "قربان گاہ کی طرف جارہا ہون" آج عاشق کی عید ہے، معشوق گلے ملنے کے لئے طیار ہے:۔

کیا حقیقت کہون کہ کیا ہے عشق حق شناسون کا ہان خدا ہے عشق
کون مقصد کو عشق بن پہونچا آرزو عشق مدعا ہے عشق (میر)

راہ مین شبلی نے پوچھا کہ "تصوف کیا ہے" جواب دیا "اس کا کمترین حصہ یہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو" پوچھا "بلند ترین کیا ہے؟ کہا "تم اس کو سمجھ نہین سکتے:۔

دونون عالم سے کچھ پھری ہے نظر آہ کس کا دل و دماغ ہون مین (میر درد)

اثنائے راہ مین ہر طرف سے پتھرون کی بارش ہو رہی تھی لیکن زبان سے آہ بھی نہ نکلی، کیونکہ دل لذتِ عشق سے بیخود ہوکر "واہ" مین مشغول تھا:۔

نالیدن بلبل ز نو آموزی عشقست ہرگز نشنیدیم ز پروانہ صدا اے (حزین)

"جلاد" نے ہاتھ کاٹ ڈالے، منصور ہنس دیا، لوگون نے پوچھا "منصور" یہ وقت رونے کا ہے یا ہنسنے کا؟ جواب دیا "خوش ہون کہ صفات سے آزاد ہو رہا ہون" ہاتھ بھی ذات کے لئے صفت ہین:۔

من این دست کہ افشاندم ز کونین بدامانِ تمنائے تو باشد (حزین)

اس کے دونون پانوؤن بھی کاٹ ڈالے گئے "اس پر منصور مسکرایا" لوگون نے مسکراتے کا سبب پوچھا "کہا" ان پانون سے مین نے جہان گردی کی تھی، جب وہ جدا ہوگئے تو سفر کونین کرونگا"

یہ کہکر اس نے کٹے ہوے ہاتھ کے نکلے ہوے خون سے چہرہ اور بازو آلودہ کرلیا، لوگون نے پوچھا "اس کے کیا معنے ہین" جواب دیا کہ "مین نے خیال کیا کہ میرے چہرے پر زردی کا اثر ہوگا، میرا زرد روجانا درست نہین، خون چہرے پر اس لئے مل لیا کہ تمھاری نظرون مین سرخرو رہون، تمام بازو مین خون ملنے کا سبب یہ ہے کہ مین جو نماز ادا کرنا چاہتا ہون، وہ اس وضو کے بغیر ادا نہین ہوسکتی ہے

نمازِ عاشقان بر دار بینم

آنکھین بھی نکال لی گئین، دیکھنے والے چیخین مار کر روئے، متبعین شریعت نے سنگ باری بھی کی

زبان کاٹنے کا حکم ہوا، اس نے کہا ٹھیرو مجھے ایک بات کہہ لینے دو۔ چنانچہ اس نے یہ آیت پڑھی۔

یستعجل بہا الذین لا یومنون بہا والذین امنوا مشفقون منہا ویعلمون انہا الحق۔

یہ الفاظ ختم ہوے تھے کہ زبان بھی کاٹ لیگئی

آخری کڑی

اسکے بعد سر کاٹا گیا، لاش جلائی گئی، اور خاک برباد کر دیگئی بیکسی زبانِ حال سے کہہ رہی تھی ؎

زدی، بستی، شکستی، سوختی از روے افگندی — جوابت چیست فرداے قیامت دادخواہان را

غیرت عشق نے آواز دی «خاموش» ؎

با عشق تو زادم من و با دردِ تو مردم — با مہر تو در خاک روم بلتم انیست

خاک کا ہر ذرۂ خون آلودہ، خون کا ہر قطرۂ نورانی حق، حق، حق انا الحق، کہتا تھا۔ یعنے ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جسکو مل گیا — ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!

کہا جاتا ہے کہ اس کی خاک دجلے مین بہا دیگئی: ؎

صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تونے اے بادِ صبا — یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک (آتش سکندرپوری)

بربادی کے بعد

شبلی اسی رات کو منصور کی قبر پر گئے، وہین قریب نماز پڑھی، صبح کو توبہ واستغفار مین مشغول ہوے، فارغ ہو کر عرض کی، خدایا منصور ترا موحد تھا تیری محبت مین یکتا تھا پھر اتنی بڑی مصیبت اس پر کیون ڈالی؟ ہاتف غیب نے جواب دیا «راز فاش کرنے کی سزا ہوتی ہے»

فلسفہ منصور

«منصور» نے «انا الحق» نہین کہا بلکہ اسنے کہا جو اسکے رگ و پے مین جلوہ گر تھا «منصور» اس فلسفہ کا قائل تھا کہ دو چیزین ایک وقت مین ایک جگہ جمع نہین ہوتین، پس جب «وہ» تھا تو منصور کا وجود کیسا؟

پھر یہ کہ «منصور نے کیف دل» زبان سے بیان کرنا چاہا جو ناممکن ہے پس اس چیز نے اسکو ذریعہ ہلاکت مین ڈالدیا، وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا اس کے لئے الفاظ، نہ ملے، جو الفاظ مل سکے وہ تھے جو تو تعزیرات شریعت، کے دفعات مین آ جاتے تھے۔

کسی نے قتل کے بعد منصور کو خواب مین دیکھا پوچھا «کیا حال ہے؟ تمھارے قاتلون کے بابت خدا نے کیا فیصلہ کیا؟ کہا جس نے میرے ساتھ مہربانی کی اس پر بھی اور جن لوگون نے قتل کیا ان پر بھی خدا نے رحمت نازل کی کہ دونون ایک شان رکھتے ہین: ؎

خوبان ہمہ در قتلِ منِ خستہ شریک اند — تا خون مرا رنگ بدامانِ کہ باشد

کیفی چریاکوٹی

باہیہ خانم

فروری کا آخر تھا اور مارچ کی ابتدا دشت شہرزور کے اُفق پر کوہ اورامان کی برف پوش چوٹیان بادل اور کہر کی تاریکی مین مستور تھین بلکہ ابابیلہ[1] اور عنب کی آبادی بھی جو چند فرسخ کی دوری پر واقع تھی مع اپنے انارون اور سیبون کے باغون کی اسوقت کی تاریکی مین ملفوف تھے اور فطرت کی دلچسپیون کا مطالعہ کرنے کے لئے کوئی ذریعہ نہ رہگیا تھا سوا اس کے کہ آتش دان کے سامنے معتکف ہو کر ڈاردن کی نظریۂ ارتقاء کا مطالعہ اپنے ملازم حسن بغدادی کے شمائل وسیرت مین کرون اس کی غیر معمولی بلند ناک اسوقت آرام دہ حرارت کے اثر سے اس کے گھٹنون پر ٹپک چکی تھی اور بہ بانگ دہل "ہر کہ ز افتاد بر افتاد" کا اعلان کررہی تھی کہ دفعتہً زینے کے نیچے سے کسی کی نرم و شیرین آواز نے "یا غوث" کہکر ہم دونون کو چونکا دیا۔ حسن نے اپنا سر اوٹھایا۔ اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھون کی پتلیون کو ادہر ادہر پھرایا اور پھر یکایک اپنے غیر معمول قوت شامہ کی مدد سے اس تلاش مین نکل گئے کہ اس وقت تارمین کون آفت زدہ ہماری پناہ مین آیا ہے۔ انکے ننگے پیرون کی آواز زینے کی انتہا پر جاکر ابھی ختم نہوئی تھی کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا قبیلہ بنی کلب کے بعض افراد مین اختلاف آرا پڑ گیا ہے دس منٹ کے اضطرار و انتظار کے بعد حسن کے پیرون کی چاپ سنائی دی۔ کمرے کا دروازہ زور سے کھلا اور ایک ہی وقت مین حسن کی ناک اُسکا مختصر کارہ سر۔ اُسکے ٹیڑھے میڑھے ہاتھ پانون اور انکا ہلکا پھلکا بدن کمرے کے اندر داخل ہوا۔ حسن کے دونون رخسار انکے کان کی طرف کھنچے جارہے تھے۔ بالکل اسی طرح سے جیسے کسی چوڑی اینٹ پھینکنے سے پانی کی لہرین پھیلکر کنارے آلگتی ہین اُس کے پیچھے ایک ہلکا کانپتا ہوا پھٹے کثیف کپڑون کا ایک بنڈل بھی داخل ہوا جس کو دیکھ کر حسن کی چھوٹی آنکھین جھپک رہی تھین

یہ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ پھیکا سفید رنگ۔ نیلی بے نور آنکھین اور خاک آلود بھورے بال لاغر جسم جسپر سختی روزگار کے تمام خطوط نمایان تھے۔ لڑکی کا سارا جسم کانپ رہا تھا اور انکے بھیگے کپڑون سے جو پیہم تقاطر ہورہا تھا اسنے میرے فرش پر ایک دائرہ بنا دیا تھا۔ حسن نے فوراً سماوار سے چار نکال کر لڑکی کو دی اسنے لپک کر اُسکو اپنے منہ سے لگالیا اور دو گھونٹ مین ساری پیالی ختم کردی۔ جب لڑکی ذرا حواس مین آئی۔ تو مین نے پوچھا کہ۔

خوشلگم (یعنی خواہر من) تم بھیک کیون مانگتی ہو۔ اگر تم چاہو تو میرے یہان نوکری کرسکتی ہو۔ مین نے اس سوال کو

---

[1] حلبچہ کے مضافات مین دو گانون ہین۔ جو اپنے منظر کے لئے مشہور ہین ابابیلہ دراصل اباعبیدہ کی کردی مسخ صورت ہے۔ کہتے ہین کہ ابو عبیدہ اس گانون مین شہید ہوے تھے۔ اور اب ایک مزار مرجع اکراد ہے

قصداً اسلئے اٹھایا تھا کہ میرے ملازم حسن کو جنھیں کرد لوگ عام طور سے حسن عتیکہ (یعنی عجائب خانے مین رکھے جانے کے قابل حسن) کہتے تھے کچھ دنون سے خانہ آبادی کا دلولہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور مجھے برابر ترک ملازمت کا نوٹس دیتے رہتے تھے مین نے خیال کیا کہ شاید لڑکی میری اس مشکل کا حل ہو جائے اور مین حسن بغدادی کا گھر بسا سکون۔ لڑکی نے نوکری کرنا قبول کر لی۔ اور تھوڑے دنون کے بعد جب مجھے معلوم ہوا کہ باہیہ خانم حسن آفندی کو میری نظر سے نہین دیکھتین تو مین نے اپنے دوست قاضی حسام الدین علی کو بلا کر حسن و باہیہ خانم کو میاں بیوی بنا دیا۔

(۳)

اس خانہ آبادی کو مشکل سے دو مہینہ ہوئے ہونگے کہ بغاوت کردستان کی چنگاریان دشت شیرزور مین مشتعل ہو گئین مین گرفتار ہوا۔ لوٹا گیا۔ اور تقریباً پانچ ماہ تک حیات وموت کے درمیان امید وبیم کی زندگی گزاری۔ جب بغاوت فرو ہوئی اور امن وامان قائم ہوا تو مجھے اپنے ملازم وملازمہ کی جستجو ہوئی۔ معلوم ہوا کہ وہ دونون میری گرفتاری کے بعد ہی کسی نہ کسی طرح روپوش ہو گئے اور پھر یہودیون کے ایک قافلہ کے ساتھ شیروان کے گھاٹیون کی راہ سے مخالفین بھاگ گئے۔ عرصہ کے بعد جب مین کردستان کے سیاسی مہم کے بعد بغداد کو واپس ہوا تو ایک شام میری طبیعت بہت گھبرائی جی مین آیا کہ کسی رقص خانہ مین جا کر دل بہلاؤن۔ خلیل پاشا جادہ سی کے سرے پر یہودیون کا ایک رقص خانہ حال ہی مین قایم ہوا تھا اور اس مین ایک گانے والی لڑکی کی خاص شہرت تھی۔ میرے آنے سے تھوڑی دیر پہلے لڑکی کا ناچ شروع ہو چکا تھا۔ لڑکی طاہر ہمدانی کی غزل کو کردی لب لہجہ سے گا رہی تھی۔ مین بالکل اسٹیج کے نیچے اول صف مین بیٹھا ہوا تھا کہ غزل کے آخر پر لڑکی نے ایک کردی رقص کیا۔ حاضرین سے پر جوش داد کا ہنگامہ بلند ہوا اور لڑکی کو پھر اسٹیج پر واپس آنا پڑا۔ اور عرب کے دستور کے مطابق چھوٹے مگر قیمتی سکے بعض شایقین نے اسپر نچھاور کئے۔ لڑکی گھوم کر میری طرف آئی۔ میری جیب مین اسوقت چند پیسے اور اکنیان تھین۔ میری دریا دلی بھی جوش مین آئی اور چونکہ ہم ہندوستانی اور خصوصاً وہ جنکا تعلق فوج سے ہوتا تھا۔ اپنی سخاوت کے لئے بغداد مین کافی شہرت رکھتے تھے۔ لڑکی نے میرے عطیہ پر حسن ظن سے کام لیا اور پاس آ کر ان سکوں کو چُننے لگی۔ اتفاق سے سب سے پہلے اسکے ہاتھ دو پیسے لگے۔ پہلے سمجھی کہ اکنیان ہین۔ روشنی مین اسکو غور سے دیکھا اور پھر مجھے سر سے پیر تک۔ مین نے بھی روشنی کی مدد سے اسکو قریب سے دیکھا اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ہم دونون ایک دوسرے کو پہچانتے ہین۔ وہ مسکرا کر پیچھے ہٹی اور پھر اپنے کردی لہجے مین ہندوستانیون کی بُرائی کے وہ عربی مصرعے جو بغداد کے ہر بازاری لڑکے کی زبان پر رہتے ہیں گانا شروع کیا۔

ہندی بابا بطال۔ اکال العندی و الدال (ہندی بابا کاہل، دال اور بھنڈی کا کھانے والا) وغیرہ

اسی کے ساتھ وہ میرے دونون پیسون کو دونون ہاتھ مین لیکر میری طرف شوخی شرارت سے اشارہ کرتی۔ اور پھر قہقہہ لگاتی اور رقص کرتی۔ اور مجلس مین ہنگامہ برپا ہوتا۔ مین سمجھ گیا کہ یہ کون لڑکی ہے مین سر جھکائے خاموش آخری ڈراپ سین تک بیٹھا رہا اور تماشے کے ختم کے بعد مین نے اسٹیج منیجر کو بلا کر کان مین کہا کہ مین اس رقاصہ سے ملنا چاہتا ہون۔ جس نے مجھے ایسا شرمندہ کیا ہے

تاکہ مین اسکی تلافی کر سکون - تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے آکر کہا کہ اٹھئے - رقاصہ کو خود آپکی ملاقات کا اشتیاق ہے - اور وہ آپکو پہلے سے جانتی ہے - غالباً اس کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ مین اپنی پرانی خادمہ باہیہ خانم کے سامنے کھڑا تھا - اور اس کایاپلٹ پر حیرت زدہ تھا

"باہیہ خانم"! مین نے مستعجبانہ لہجے مین کہا "مین خواب تو نہین دیکھ رہا ہون - اس پر مجھے تعجب نہین کہ تم ایسی حسین وجمیل کیون ہوگئی - جس حالت نے تمھاری فطری قوی خوبیون کو مٹانے کی کوشش کی تھی - اسکے بالکل متضاد حالت نے اسکے بڑھانے مین البتہ مدد کی - مگر مین یہ نہ جانتا تھا کہ تمھارا میلان اس فن کی طرف تھا - اور اس مشکل فن کو تم اتنی جلد حاصل کر لوگی - خیر مین تمکو مبارکباد دیتا ہون - خوش رہو - اور تمھارا شوہر حسن کہان ہے"؟

"حسن - حسن - کیا کہا میرا شوہر - لڑکی نے نہایت ترش لہجے سے کہا - آہ آفندی - اسکا نام نہ حسن ہے نہ وہ مسلمان ہے - اور میری بڑی توہین ہے کہ میرے معمولی بدصورت سارنگی نواز یہودی حزقیل کو میرے شوہر سے خطاب کیا جائے اسکے بعد لڑکی نے کہا ہان آپ اپنے حسن عنتیکہ سے ضرور ملاقات کرینگے - حزقیل - حزقیل - کم بخت کہان گم ہوگیا - معلوم ہوتا ہے آپکو اسنے اسٹیج پر سے دیکھ لیا اور غائب ہوگیا - کیا افندی - آپ نے کبھی کسی مسلمان کی بھی ایسی ناک دیکھی ہے - ہان بھول گئی آپ ہندی ہین - عرب کا معمولی بچہ بھی اس ناک سے دہوکا نہ کھاتا -

مگر خیر - اب اسکی مجال نہین کہ میری طرف نظر اٹھا کر دیکھے - اور مین اپنی اس حالت سے خوش ہون - گو روسیاہ ہون مگر مین جانتی ہون کہ اسکی ذمہ داری مجھ پر نہین بلکہ آپ پر ہے یا آپکے قاضی صاحب پر مین نے کہا خانم - یہ تم نے عجیب بات کہی کہ یہودی قوم ایک مخصوص وضع کی ناک رکھتے ہین - کیا سعید آفندی کی ناک اس سے بڑی اور لال نہ تھی مگر وہ کردی تھا اصیل اور اگر مین بالفرض نادانستہ گناہ کا ملزم ٹھہر سکتا ہون تو ہمارے قاضی علی حسام الدین کا کیا قصور جنکی بزرگی و پارسائی مین شک کرنے والا کافر ہے - لڑکی قاضی کا نام سنتے ہی تلملا اٹھی نہایت سخت و مکروہ الفاظ سے ان کو یاد کیا اور بولی رب یہ مجھ سے سارا قصہ سن لیجئے - اگر سننا چاہتے ہین

(۵)

"آفندم - میرا باپ کوٹی سنجاق کی طابور (رجمنٹ) کا امام تھا - اور اسی کوٹی سنجاق کے ضلع مین حسام الدین قاضی تھا مین خود اس سے پہلے سے واقف نہ تھی - اور مین نے اسکو پہلی بار اس روز دیکھا - جب وہ میرا نکاح پڑھانے آیا تھا اسکے بعد جب وہ کبھی آپ سے ملنے آتا تو مجھے اسکے سامنے جاتے ہی بہت تردد ہوتا کیونکہ باوجودیکہ وہ سن مین میرے باپ سے بھی بڑا تھا - مگر اسکی نگاہیں بہت ہی مشتبہ تھین - ایکبار اسنے مجھے علیحدہ پایا - اور میرے باپ کا حال دریافت کرکے بولا کہ ارے تو میرے گود کی کھلائی ہوئی بچی ہے - تیرا باپ میرا بڑا دوست تھا - بلکہ انکے مرنے کے بعد رجمنٹ کی کمیٹی نے اسکے سارے ورثہ کی تقسیم میرے سپرد کردی تھی - وہ سارا مال میرے پاس امانت ہے - اب تم آفندی کے یہان کی نوکری چھوڑ کر میرے پاس آجاؤ تاکہ مین تیرے باپ کی امانت

تمکو سپرد کردون - جب مین قاضی کے پاس گئی تو مجھ سے کہنے لگا کہ ہاں اس شرط پر دیا جائیگا کہ تو اپنے خاوند سے طلاق لے لے - مین تیری شادی بہتر جگہ کرا دونگا - مین نے کہا قاضی، اگر تم حسن سے میری گلو خلاصی کرانے کا کوئی طریقہ بتا دو تو مین تمھاری بہت احسانمند ہونگی - مجھے اس سے خود نفرت ہے - مگر مین کیا کرون - افندی نے میرے اوپر بڑا ظلم کیا - اور اب ہمارے لئے اس سے خلاص پانے کی صورت شرعی حیثیت سے تو ممکن نہین - قاضی نے غور کیا اور کہا ایک صورت سمجھ مین آتی ہے - فتاویٰ برہانی مین تین سو ساٹھ کلمات کفریہ ہوئے ہیں جن میں سے ایک بھی اگر کوئی مسلمان کہدے تو وہ اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے - اور اسکی عورت اسکے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے - ہم لوگ ایسی مشکلات کو اسی طرح حل کیا کرتے ہین - اچھا تو کسی روز مین آؤنگا اور آفندی کے سامنے حسن سے ایک جملہ انھین کلمات مین سے کہلا دونگا وہ فوراً اسلام سے خارج ہو جائیگا - افسوس تو یہ ہے کہ اسلامی سلطنت نہین رہی - ورنہ اسکے بعد اسکا زندہ رہنا بھی ناجائز سمجھا جاتا - خیر اس طلسمی کلمے کے منہ سے فوراً نکلتے ہی تم اسکے نکاح سے باہر ہو جاؤگی اور پھر تم میرے پاس آجانا - مین بڑی خوش ہوئی اور اس موقع کی انتظار مین رہی - مگر افسوس - اسکے بعد بغاوت برپا ہو گئی اور آپ اسیر ہو گئے - بغاوت کے دوسرے دن قاضی کا ایک آدمی آیا اور ہم دونون کو اپنے ساتھ بلا لے گیا - قاضی کے سامنے جیسے ہی ہم دونون پہونچے - قاضی نے اعلان کیا کہ حسن کافر ہے - اسواسطے کہ یہ شخص کفار کا ساتھ دیتا ہے -

حسن یہ سنتے ہی ایسا فرار ہوا کہ پھر اسکو شہر مین کسی نے نہ دیکھا - اور اب مین قاضی صاحب کی حفاظت مین آگئی - جب شب ہوئی تو میرے حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ قاضی صاحب باریش و بروت و جبہ و دستار میرے پاس آکر مجھ سے لپٹ گئے - مین چلائی بولے - بے وقوف چھوکری - تو تو میری لونڈی ہو چکی - کفار کے ہاتھ سے آئی ہے - اور ہم تجھ سے بغیر نکاح متمتع ہو سکتے ہین - ہماری شریعت مین نکاح کی ضرورت ہی نہین - تو میری لونڈی ہے - مین حسن سے زیادہ قاضی سے متنفر تھی - اور دو گھنٹے تک اس بدمعاش قاضی سے اپنی عصمت بچاتی رہی - آخر مین نے ایک لات اسکے منہ پر زور سے رسید کی - وہ الگ دور جا گرا اور مین کوٹھری کھولکر بھاگی - صبح کا وقت قریب تھا - راستے مین یہودی سوداگرون کا ایک قافلہ خانقین[1] جانے والا مل گیا - مین نے دیکھا کہ اس مین میرا خاوند حسن بھی موجود ہے - مین بڑی خوش ہوئی - اور اسکے ہمراہ بغداد آئی - یہان آکر ایک نیا عقدہ کھلا -

قصہ مختصر یہ کہ اب مین اس حالت مین ہون جس مین آپ دیکھ رہے ہین - اب میرے سونے کا وقت آگیا ہے اگر نا وقت نہ ہوتا تو مین اپنی بغداد کی ساری سرگزشت سناتی - خیر پھر ملون گی - اسکے بعد مین رخصت ہو کر اپنے کلبہ حزن مین آگیا باہیہ خانم سے مین پھر نہ مل سکا کیونکہ دوسرے روز خود مجھے بغداد چھوڑ دینا پڑا -

"ابن السبیل"

---

[1] سرحد ایران و عراق پر ایک شہر ہے ۱۲

مصحفی وسودا کا تقابل

اور

مصنف آبحیات کی کج نگاہیان

اس سے قبل دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء کے نگار مین مصحفی اور میر کا موازنہ ہو چکا ہے۔ آج کی صحبت مین یہ دیکھنا ہے کہ سودا کا انداز کسقدر تھا۔ لیکن اس سے قبل یہ بات خود فیصلہ طلب ہے کہ مرزا سودا اردو شعرا مین کیا درجہ رکھتے ہین۔ اور ان کی شاعری کو کس قسم کی شاعری کہا جا سکتا ہے۔ شعر الہند کی پہلی جلد مین میر و مرزا کے عنوان سے ایک پورا باب تحریر کیا گیا ہے جس مین مختلف حوالون سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ میر تقی و مرزا سودا کے کارنامے کہان تک ایک دوسرے سے موافقت رکھتے ہین۔ اسکا ضروری اقتباس ہم ذیل مین درج کرتے ہین:-

"عام طور پر مشہور ہے اور اکثر تذکرہ نویس بھی اسکے ساتھ ہم آہنگ ہین کہ مرزا کو قصیدہ نگاری مین کمال ہے اور میر غزل گوئی مین اپنا جواب نہین رکھتے۔ اسکے ساتھ میر صاحب کو یہ منزلت بھی حاصل ہے کہ وہ مثنوی بھی بہت اچھی لکھتے ہین۔ اسلئے دونون کے راستے الگ الگ ہین۔

ان تصریحات سے قطع نظر کرکے دونون کے کلام پر نظر ڈالی جائے تو دونون مین کوئی نمایان فرق نظر نہ آئیگا قدما کے دور کے جو محاسن ہین وہ دونون مین مشترک طور پر پائے جاتے ہین۔ اسی طرح اس دور کے معائب بھی دونون کے یہان کم وبیش موجود ہین۔ جابجا زبان فحش اور مبتذل ہے۔ کہین کہین سبک مضامین دونون باندھ جاتے ہین۔ شتر گربگی یعنی کلام کی ناہمواری دونون کے یہان پائی جاتی ہے۔ لیکن باوجود ان معائب کے غزل گوئی مین سودا کو میر سے اسلئے پست درجہ خیال کیا جاتا ہے کہ سودا کی غزلون مین تغزل کی اصلی روح یعنی سوز وگداز نہین اور ہمارے نزدیک اسکے مختلف اسباب ہین۔

(۱) - ایک تو اُن کی قومی خصوصیت جو اُن کی ہجو گوئی کا سبب ہوئی اسنے وہ عجز و تذلل نہین پیدا ہونے دیا جو مسکین میر کا شیوہ اور غزل کا اصلی عنصر ہے

(۲) - دوسرے یہ کہ وہ تغزل کے علاوہ اخلاقی مسائل کو لیتے ہین اور اُن کو تمثیل کے ذریعے سے ثابت کرتے ہین۔ بعض جگہ عاشقانہ مضامین مین بھی تمثیل رنگ سے کام لیتے ہین قدرت نے ان کی غزل گوئی کی تعریف مین سلیم وکلیم کا جونام

لیا ہے۔ اسکی یہی وجہ ہے کہ یہ دونون تمثیلی رنگ مین اُستاد خیال کئے جاتے تھے۔ اور تمثیلی رنگ مین اگرچہ دعویٰ و دلیل کے تطابق سے دماغ بے شبہ متاثر ہو جاتا ہے لیکن جذبات و احساسات پر اسکا کوئی اثر نہین پڑتا

(۳) تیسرے یہ کہ اس زمانہ کی روش کے خلاف وہ جا بجا مضمون آفرینی اور خیال بندی بھی کر جاتے ہین۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس زمانے مین مغلق گو مشہور تھے

(۴) چوتھے یہ کہ داخلی پہلو کے ساتھ خارجی رنگ کو بھی لیتے ہین اور اکثر معشوق کے خط و خال کی بے اثر تعریف و توصیف کرتے ہین یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس رنگ مین کہنے والے ہین وہ شعرائے قدیم مین سودا ہی کا تتبع کرتے ہین

(۵) پانچوین یہ کہ اُن کا زورِ طبع اُن کو کسی ایک رنگ پر ٹھہرنے نہین دیتا۔ یہان تک کہ کبھی کبھی شاہ مبارک آبرو کے رنگ مین بھی کہہ جاتے ہین بعض غزلون مین جرأت و انشا کی روش اختیار کر لیتے ہین

(۶) چھٹے یہ کہ وہ نسبتاً میر سے مشکل زمینون مین غزلین کہتے ہین۔ اسلئے لازمی طور پر ان زمینون مین موثر اور دلآویز اشعار کم نکلتے ہین

(۷) ساتوین یہ کہ وہ میر کی طرح گوشہ نشین اور قناعت پسند نہ تھے۔ بلکہ انھون نے ہمیشہ درباری زندگی بسر کی اور غزل گوئی خستہ جگر گداختہ دل، آزاد مزاج، عزلت نشین، قناعت پیشہ اور الم کش اشخاص کا شیوہ ہے۔ ہوس ناکی، جاہ طلبی، اور زراندوزی وغیرہ سے اسے کوئی تعلق نہین ہے۔ ایشیائی شعرا مین صرف چند بزرگ مثلاً شیخ سعدیؒ۔ خواجہ حافظؒ۔ خواجہ میر درد وحید الہ آبادی۔ راسخ عظیم آبادی۔ میر تقی میر اور خواجہ آتش وغیرہ ایسے گذرے ہین جن مین کم و بیش یہ اوصاف پائے جاتے ہین۔ اور ان لوگون نے حتی الامکان سلاطین و امراء کے دربار سے کنارہ کش رہنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی غزلون مین جو کیف جو اثر اور جو سوز و گداز پایا جاتا ہے۔ وہ درباری شعرا مثلاً سودا و انشا و ذوق کے کلام مین مفقود ہے

(۸) آٹھوین یہ کہ وہ تیغِ عشق کے زخم خوردہ نہ تھے۔ لیکن میر کے دل پر ابتدا ہی سے یہ چرکہ لگ چکا تھا اور عمر بھر اُن کے دل مین یہ نشتر کھٹکتا رہا

ان تمام اسباب کی بنا پر سودا کے کلام مین وہ سوز و گداز پیدا نہ ہو سکا۔ جو میر صاحب کی غزلون مین عموماً موجود ہے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین آزاد نے آب حیات مین دونون کے چند قریب المعنی اشعار کا موازنہ کرکے دونون کے انداز طبیعت کو نہایت خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے

شعر الہند جلد اول صفحہ ۷۴ تا ۷۶

اس اقتباس کے بعد یہ تسلیم کرنے مین کوئی اعتراض نہین رہتا کہ مرزا سودا کو نفس شاعری سے درحقیقت کوئی تعلق نہ تھا یا اگر تھا تو بہت کم غزلین اُنھون نے لکھین ضرور لیکن اثر پیدا نہین ہوا اور نہ ہو سکتا تھا وہ قصیدہ گو تھے اور قصیدہ گوئی کے تمام اوصاف اُن کے کلام مین پائے جاتے ہین اور انھین اوصاف نے اُن کو غزل گو شعرا کے گروہ سے نکال دیا ہے۔

لیکن آزاد اس رائے سے مختلف ہین اور چونکہ انھین آگے چلکر انھین اوصاف غیر شاعرانہ سے کام لینا ہے اسلئے کلام مرزا کی

بے تاثیری مٹانے کیلئے اس طرح زور قلم دکھاتے ہین

(۱) "اُن کا کلام کہتا ہے کہ دل کا کنول ہر وقت کھلا رہتا تھا (یہ لوازم غزل گوئی کے فقدان کی توجیہ کیجا رہی ہے)

(۲) "اس پر سب رنگون مین ہمرنگ اور ہر رنگ مین اپنی ترنگ جب دیکھو طبیعت شورش سے بھری اور جوش و خروش سے لبریز، نظم کی ہر فرع مین طبع آزمائی کی ہے اور کہین رُکے نہین"

(۳) چند صفتین خاص ہین جن سے اُن کا کلام جملہ شعرا سے ممتاز معلوم ہوتا ہے

(۴) زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہین۔ کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ایسا دست و گریبان ہے جیسے آگ کے شعلہ مین گرمی اور روشنی بندش کی چُستی اور ترکیب کی درستی سے لفظون کو اس دروبست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جوڑتے ہین گویا ولائتی تمنچے کی چانبین چڑھی ہوئی ہین

(۵) اور یہ خاص اُن کا حصہ ہے۔ چنانچہ جب ان کے شعر مین سے کچھ بھول جائین تو جب تک وہی لفظ نہ رکھے جائین شعر مزا ہی نہین دیتا

(۶) خیالات نازک اور مضامین تازہ باندھتے ہین مگر اس باریک نقاشی پر اُن کی فصاحت آئینہ کا کام دیتی ہے۔ تشبیہ اور استعارہ ان کے ہان ہین مگر اُسی قدر کہ جتنا کھانے مین نمک یا گلاب کے پھول پر رنگ

یہان تو مرزا سودا کی مدح نگاری کا حق ادا کرتے ہوئے بیان کے زور اور عقیدت کے جوش مین کہہ دیا کہ تشبیہ و استعارہ ان کے یہان کھانے مین نمک سے زیادہ نہین۔ لیکن آخر حق حق ہوتا ہے یہ الفاظ حافظ مین نہ رہ سکے اور صفحہ ۱۹۱ مین سچی بات قلم سے نکل گئی۔ یعنی مرزا سودا بہت دور ہین۔ کیونکہ تشبیہ و استعارہ کے رنگ مین غوطہ دیکر محاورہ مین ترکیب دیتے تھے اور رنگینی کے پردے مین مطلب اصلی کو گم نہ ہونے دیتے تھے۔

(۷) اُنھون نے فارسی محاورون کو بھاشا مین کھپا کر ایسا ایک کیا ہے۔ جیسے علم کیمیا کا ماہر ایک مادہ کو دوسرے مادہ مین جذب کر دیتا ہے۔ اور تیسرا مادہ پیدا کر دیتا ہے کہ کسی تیزاب سے اسکا جوڑ نہین کھل سکتا اور اُنھون نے ہندی زبان کو فارسی محاورون اور استعارون سے نہایت زور بخشا۔ اکثر ان مین سے رواج پا گئے اکثر آگے نہ چلے

(۸) مرزا طبیعت ہمہ رنگ اور ہمہ گیر ذہن براق اور زبان مشاق رکھتے تھے توسن فکر اِن کا منہ زور گھوڑے کی طرح جسطرف جاتا تھا رُک نہ سکتا تھا، کوئی بحر اور کوئی قافیہ ان کے ہاتھ آئے۔ تغزل کی خصوصیت نہین رہتی تھی جس برجستہ مضمون مین بندھ جائے باندھ دیتے تھے

(۹) بیشک ان کی غزلون کے بھی اکثر اشعار چُستی و درستی مین قصیدہ کا رنگ دکھاتے ہین۔ بہت سی غزلین دل پسند اور دلچسپ بحرون مین ہین کہ اسوقت تک اردو مین نہین آئی تھین زمینین سنگلاخ ہین اور ردیف قافئے بہت مشکل مگر جس پہلو سے اُنھین جما دیا ہے ایسے جمے ہین کہ دوسرے پہلو سے کوئی اُٹھائے تو معلوم ہو۔ (آب حیات)

باتین تمام وہی ہین جنھین شعر الہند مین بیان کیا گیا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ حسن لیلیٰ از چشم مجنون باید دید کے مطابق مرزا سودا کی تمام برائیان آزاد کو خوبیان ہو کر نظر آتی ہین اور مولوی عبد السلام دوستی و دشمنی دونون جذبون کے اثر سے محفوظ رہنے کے باعث بُرائیون کو بُرائیون کی صورت مین دیکھتے ہین۔ مولوی عبد الحئی صاحب لکھتے ہین:۔

"چاہئے تو یہ تھا کہ دنیائے شاعری مین کوئی متنفس بھی اس طرف متوجہ نہ ہوتا لیکن خود مرزا کے زمانے مین چند حضرات نے تقلیداً و مقابلتاً ان اوصاف غیر شاعرانہ کو اپنے کلام کا زیور بنا لیا۔ جب متوسطین کا زمانہ آیا تو اپنے تمام معاصرین کے خلاف سید انشا نے مرزا سودا کے جنون کا ساتھ دیا۔ اور قصائد نویسی کے ساتھ ساتھ غزل گوئی کو بھی صرف تفریح دماغ کا ذریعہ بنانے مین اپنی پوری طاقت صرف کردی۔ کلیات اُن کا چھپ گیا ہے اسمین ایک دیوان فارسی کا ہے۔ ایک اُردو کا جس مین قصیدے، غزلین قطعے خطوط منظوم، رباعیان، پہلیان، چیستانین ہجوین اور چھوٹی چھوٹی مثنویان ہین۔ فارسی اُردو کے سوا ہندوستان کی مختلف زبانون مین کچھ کچھ کہا ہے بقول آزاد ابھی پنجاب مین کھڑے ہین ابھی پورب مین بیٹھے باتین کر رہے ہین ابھی برج بھاشی ہین ابھی مرہٹی۔ ابھی افغان ہین ابھی کشمیری اور چند ساعت بھی اپنے رفیق تمسخر سے جدا نہین ہوتے۔ سید انشا جیسا ذکی و ذہین آدمی اگر اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہوتا۔ تو سعادت علی خان کے مزاج مین درخور ہو جانے پر وہ کوئی چیز بن جاتا اور اُسکا دیوان لطائف سے مالا مال ہونیکی جگہ ملک کے سامنے آج ایک نمونہ پیش کرتا۔

(گل رعنا ص ۲۶۰-۲۶۱)

واقعہ یہ ہے کہ اُن کی غزلون مین سخت ناہمواریان اور بے اعتدالیان پائی جاتی ہین اور کسی نظم مین سید انشا سے بالکل متانت کی توقع ایک بے سود چیز ہے۔ شیخ مصحفی نے انھین بھانڈ اور نواب مصطفےٰ خان شیفتہ نے بے اصول شاعر کہدیا تو کوئی مبالغہ نہین کیا۔

لیکن آزاد نے اپنی عمارت بے اصل کے سنبھالنے مین جس حسن استدلال سے کام لیا ہے۔ اور واقعات پر پردہ ڈالکر کچھ کا کچھ دکھانے مین جو مُنھ زوری کی ہے اُسکا خلاصہ یہ ہے

غزلون کا دیوان عجیب طلسم کا عالم ہے۔ زبان پر قدرت کامل بیان کا لطف محاورون کی نمکینی ترکیبون کی خوشنما تراشین دیکھنے کے قابل ہین۔

غزلون مین غزلیت کے اصول کی پابندی نہین۔ سبب یہ ہے کہ وہ سخن آفرین ایک ذخیرۂ وافر مضامین و الفاظ کا اپنے پاس رکھتا تھا۔ اس سے جس قسم کی مخلوق چاہتا تھا پیدا کر لیتا تھا۔ (آب حیات صفحہ ۲۷۱)

اس مین کچھ کلام نہین کہ جو جو تصرفات یا ایجادات کئے انین بعض جگہ سینہ زوری بھی ہے۔ مگر خوش نمائی و خوش ادائی مین شبہ نہین۔ درحقیقت اُن کی تیزی طبع نے عالم وجود مین آنیکے لئے تیزی دکھائی۔ اگر وہ سو برس بعد پیدا ہوتے تو ہماری زبان کا فیشن نہایت خوبصورتی سے بدلتے (صفحہ ۲۰۶ آبحیات)

اول تو اکثر غزلین اور قصائد ان کے سنگلاخ زمینون مین ہوتے تھے۔ پھر اسمین قافئے ایسے کدھب لیتے تھے۔

کہ عاشقانہ مضمون کم آسکتے تھے۔ اسیواسطے قانون کلام یہ رکھا تھا۔ کہ کیسا ہی قافیہ ہو اور کیسا ہی مضمون جس برجستہ پہلو سے بندھ جائے چھوڑنا نہین چاہئے۔ ساتھ اسکے یہ ہے کہ شاعر کو زیادہ تر کام عوام سے ہوتا ہے جنھین مضامین عشقیہ کے بعد کچھ لطف ہے تو ظرافت مین ہے۔ اسلئے انکی طبیعت جو اسی آسمان کا ریزہ تھی ہر آن نیا جلوہ دیتی تھی۔

(آبحیات صفحہ ۲۸۳)

لوگ کہتے ہین کہ سید انشا کا کلام ہر مقام پر قابل سند نہین۔ یہ بات درست ہے مگر اُن کی بے اعتدالیان کچھ جہالت کے سبب نہ تھین۔ بلکہ عمدًا تھین یا بے پروائی کے سبب تھین۔ کہ اپنی طبع وقاد اور وسعتِ استعداد کے سامنے قواعد اور اہل قواعد کو پانی کر دیا۔ الفاظ و محاورات مین بہت سے تصرف کئے یہ تصرف صرف اگر محدود مقامون مین ہوتے تو شکایتین نہ ہوتین۔ کیونکہ اس زبان آور سے زیادہ قادر زبان اور زباندان کون ہے۔ خصوصًا جبکہ استعداد علمی سے مسلم ہو لیکن افراط نے ہمین بھی خاموش کر دیا ہے۔

بہر حال اُن کے کلام سے واقف حال اور طالب کمال بہت کچھ فائدے اُٹھا سکتا ہے اکثر اچھوتے ایجاد ہین کہ گل نوبہار کی طرح سر پر رکھنے کے قابل ہین۔ بہت سے تھوڑی تبدیلی یا تراش سے انوکھے بن سکتے ہین۔ بہت سے وہ ہین جن پر سوا اسکے کچھ نہین کہہ سکتے۔ خطائے بزرگان گرفتن خطاست

(آب حیات صفحہ ۲۸۴)

نگاہ کا فرق دیکھئے شیخ مصحفی صرف مین شعر کہتے ہین:۔

تیغ نے اُسکی کلیجہ کھا لیا اُس نے آتے ہی مجھے سنگوا لیا

چمن مین چل کے کراے مصحفی تو نالہ وآہ جو جی چلا ہو ترا امتحانِ بلبل کو

نہ مین صحرا مین نہ گلشن مین نکل جاؤنگا خوگرِ شہر ہون یان خاک مین رِل جاؤنگا

تو وطن کا محاورہ یاد آجانا کہکر دادِ سخنوری دی جاتی ہے۔ اور جب انشا بے راہ روی اور نا قابل تقلید شاعری کی دُھن مین غیر مستند اور غلط محاورے و الفاظ کا ایک ڈھیر لگا دیتے ہین تو کہا جاتا ہے کہ یہ بے اعتدالیان کچھ جہالت کے سبب سے نہ تھین بلکہ عمدًا تھین یا بے پروائی کے سبب سے تھین۔ حالانکہ دانستگی وواقفیت کی غلطی گناہِ کبیرہ خیال کیجاتی ہے۔ یا شیخ مصحفی۔

اُس گُل کی باغ مین جو صبا نے چلائی بات غنچے نے مسکرا کے کہا ہمنے پائی بات

فرماتے ہین تو امروہہ والی بات کہکر انسانیت سوز طریقۂ تحسین استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جب انشا کی کثیر التعداد ایسی زیادتیون کا ذکر آتا ہے جو نہ گل نوبہار کی طرح سر پر رکھنے کے قابل ہین نہ تھوڑی بہت تبدیلی سے انوکھی بن سکتی ہین تو صرف خطائے بزرگان گرفتن خطاست کہہ کر سعادتمندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ شیخ مصحفی (بقول نساخ) انشا کے اُستاد ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ بزرگی کے مستحق تھے

یہان پہنچ کر مجھے وہی کہنا پڑیگا کہ آزاد نے آبحیات کی تصنیف سے کوئی ادبی خدمت نہین کی۔ بلکہ دو تین شاعرون کی

بےمعنی اور غلط تعریف و توصیف کے جوش مین جو کچھ زبانِ قلم پر آیا بغیر سوچے سمجھے لکھتے چلے گئے ہین۔ جب شاعری نے اور ذرا ترقی کی تو نازک خیالی اور مضمون آفرینی کا رنگ پہلے سے زیادہ اُچھلا جس کے اثر سے اردو شاعری مہمل الفاظ کا ایک مجموعہ ہو کر رہ گئی۔ لکھنؤ مین شیخ ناسخ نے نطبعی مناسبت کی بنا پر میر و مصحفی کے سادہ و سلیس انداز بیان کو چھوڑ کر مضامین تازہ اور غزلہائے قصیدہ نما کو اپنا سرمایہ ناز قرار دیا۔ اور نہایت پر زور الفاظ مین اپنے مسلک کا اعلان کر دیا۔

کب ہماری فکر سے ہوتا ہے سودا کا جواب ہان تتبع کرتے ہین ناسخ ہم اُس مغفور کا

اس اعلان سے شیخ ناسخ کے اصلی ماخذ شاعری کا پتہ چلتا ہے۔ اور ساتھ مین یہ بات بھی پوشیدہ نہین رہتی کہ میر صاحب نے انہین اصلاح دینے سے صاف انکار کیون کر دیا۔ اور شیخ مصحفی مرحوم نے دس پانچ غزلین دیکھنے کے بعد اپنے یہان سے کیون نکال دیا۔ شیخ ناسخ کے کلام کو دیکھئے وہی ثقیل الفاظ وہی ابتذال وہی فضول اور بے نتیجہ خیال نبدی تمام باتین جو مرزا سودا کی شاعری کی جان ہین یہان بھی حد سے زیادہ پائی جاتی ہین۔ مولانا سید امداد صاحب اثر کا فرمانا بالکل درست ہے کہ۔

شیخ ناسخ کی بدولت وہ خیالات بڑی کثرت کے ساتھ احاطۂ غزل سرائی مین داخل ہو گئے۔ جو درحقیقت اس سے باہر ہین۔ اس زور آزمائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ واردات وجذبات قلبیہ اور دیگر امور ذہنیہ کے مضامین سے شیخ کی غزلین معرا ہو گئین۔ اور غزل سرائی کا مطلب فوت ہو کر ایک ایسی قسم کی شاعری ایجاد ہو گئی جس پر قصیدہ گوئی اور غزلسرائی دونون مین سے ایک کی تعریف بھی صادق نہین آتی۔ (کاشف الحقائق صفحہ ۱۳۹) جلد دوم

اس روش سے نہ صرف شیخ ناسخ کو نقصان پہونچا بلکہ منشی مظفر علی اسیر کی ہمنوائی نے ایک عرصے تک کیلئے تمام لکھنؤ کی شاعری کو خاک مین ملا دیا۔ اور آتش وچند تلامذۂ آتش کو چھوڑ کر سب اسی میدان کے ہو کر رہ گئے

دلی مین شاہ نصیر نے مشکل پسندی کو آسان گوئی پر ترجیح دیکر شعرائے دلی کے دربار سے اپنی نامقبولیت کی سند حاصل کی انہین دلی کا شیخ ناسخ کہین تو غلط نہین کیونکہ ان کے کلام مین شیخ ناسخ کی تمام خصوصیات جلوہ گر نظر آتی ہین شیخ ناسخ کے کلام کی ایک بڑی خوبی تمثیل ہے جو سینہ بہ سینہ مرزا سودا سے چلی آتی ہے یعنی وہ اخلاقی مضامین کو اکثر اس طریقہ سے باندھتے ہین۔ کہ ایک مصرعہ مین دعوی ہوتا ہے اور دوسرے مین مثال جا بجا اخلاقی دعوی کرتے ہین اور اُسکو تمثیل کے ذریعہ سے ثابت کرتے ہین اس رنگ کے بے اثر اور اس شاعری کے بے مصرف ہونے مین کسی صاحب عقل کو شبہ نہین۔ لیکن آزاد کی تاویل دیکھئے۔

کلام کو اچھی طرح دیکھا گیا زبان شکوہ الفاظ اور چستئ ترکیب مین سودا کی زبان تھی۔ اور گرمی ولذت اسمین خداداد تھی انھین اپنی نئی تشبیہون اور استعارون کا دعوی تھا۔ اور یہ دعوی بیجا نہ تھا۔ نئی نئی زمینین نہایت برجستہ اور پسندیدہ نکالتے تھے۔ مگر ایسی سنگلاخ ہوتی تھین جسمین بڑے بڑے شہسوار قدم نہ مار سکتے تھے تشبیہ اور استعارہ کو لیا ہے اور نہایت آسانی سے برتا ہے۔ جسے اکثر زبردست انشا پرداز ناپسند کر کے کم استواری کا نتیجہ نکالتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ تشبیہ یا استعارہ شاعرانہ نہین پھبتی ہے۔ لیکن یہ اُن کی غلطی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کہتے تو کلام سریع الفہم کیونکر ہوتا؛

اور ہم ایسی سنگلاخ زمینون مین گرم گرم شعر کیونکر سنتے۔ پھر وہ ہزارون شاعرون مین خاص وعام کے منہ سے واہ وا کیونکر سنتے علم کے دعویدار شاعران کے کلام کی دھوم دھام کو ہمیشہ کنکھیون سے دیکھتے تھے۔ اور آپس مین کانا پھوسیان کرتے کرتے تھے۔ پھر بھی اُن کے زورِ کلام کو دبا نہ سکتے تھے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ زورِ طبع انکا کسی کے بس کا نہ تھا جس سنگلاخ زمینون مین گرمی کلام سے وہ مشاعرہ کو تڑپا دیتے تھے۔ اور ون کو غزل پوری کرنی مشکل ہوتی تھی۔ (آبحیات)

انصاف دیکھئے شاہ نصیر کے بے اثر حصۂ کلام کا ذکر تک نہین کرتے۔ اخلاقی مضامین کا مطلق حوالہ نہین دیتے۔ اور اپنی طرف سے کچھ گھٹا کچھ بڑھا کر یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہین کہ شاہ نصیر نے بڑے بڑے شہسواران سخن کو پست کرکے چھوڑ دیا۔ لیکن دستِ قضا و قدر سے انسان مجبور ہے۔ اسی جوش مین وہ الفاظ بھی نکل گئے ہین جنھون نے شاہ نصیر و مرزا سودا کی خصوصیات شاعرانہ کو یکجا کر دیا ہے۔ آزاد کا یہ فقرہ غور طلب ہے۔ کہ علم کے دعویدار شاعرون کے کلام کی دھوم دھام کو ہمیشہ کنکھیون سے دیکھتے تھے اور آپس مین کانا پھوسی کرتے تھے پھر بھی اُن کے زورِ کلام کو دبا نہ سکتے تھے۔ اور جب اسکے ساتھ سید انشا والے اس فقرہ کو بھی پڑھا جائے۔ کہ انکی غلطیان کچھ ناواقفیت کے سبب سے نہ ہوتی تھین بلکہ عمداً ہوتی تھین۔ یا بے پروائی کی وجہ سے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ زبان کی طراری ایک جوہر ہے۔ اور یہ جسے نصیب ہو جائے وہ کسی مقام مین بھی مرزا سودا کے اسپ بدلگام کی طرح سوار کو باگ پر ہاتھ رکھنے کی اجازت نہین دیتا۔ اور بے لگام جدھر جا ہتا ہے۔ سرپٹ دوڑتا ہوا چلا جاتا ہے۔ یہان بھی تعریف و توصیف کا وہی زور شور قائم ہے جسکی بین مثالین مرزا سودا و انشا کے یہان پیش کی جا چکی ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نصیر آزاد کی اس بے اصل و بے بنیاد عمارت کے ایک ستون ہین۔ جو سالہا سال کی کوششون کے بعد تعمیر کرکے آبِ حیات کے نام سے یادگارِ عالم چھوڑ گئی ہے۔

شاہ نصیر کا شاہراہ اصلی سے ہٹ جانا دلّی اور شعرائے دلّی کے لئے سمندِ ناز پر تازیانہ تھا۔ ناسخ کے کلام کا غلغلہ بلند ہوتے ہی مومن و غالب نے بھی وہی فضول روش اختیار کر لی۔ لیکن ان دونون بزرگون سے فطری نامناسبت کے سبب یہ روش نہ نبھ سکی خدا کا شکر ہے کہ دونون جلد سے جلد راہِ راست پر آگئے۔ مومن خان نے معاملہ بندی کی طرف توجہ کرکے جرأت کے رنگ کو جلا دی اور غالب نے میر و مصحفی کے سادہ انداز کو اختیار کرکے مستحسن طرزِ سخن پیدا کیا۔ البتہ ذوق پر اپنے استاد کا اثر زیادہ پڑا چنانچہ ان کے کلام مین ناسخ کی تمام خصوصیات موجود ہین۔ یہانتک کہ رعایت لفظی کی بدترین مثالین بھی پائی جاتی ہین اور مبتذل و سوقیانہ مضامین بھی۔ تمثیلی مضامین کا تو ٹھکانا ہی نہین غزلین کی غزلین ناسخ کا راگ الاپ رہی ہین۔ البتہ بقول مولوی عبدالسلام وہ اپنے استاد شاہ نصیر سے دو باتون مین ممتاز ہین ایک تو یہ کہ دلّی کی آب و ہوا کے اثر سے اُن کے کلام مین جا بجا جذبات اور روحانیت کی آمیزش بھی موجود ہے۔ اسلئے اُن کا کلام صحرائے بےآب و گیاہ کی طرح بالکل خشک اور بےمزہ نہین معلوم ہوتا۔ بلکہ خس و خاشاک کے ڈھیر مین کہین کہین دو چار پھول بھی نظر آجاتے ہین۔ دوسرے یہ کہ اکثر محاورات کو اس برجستگی کے ساتھ باندھ جاتے ہین کہ طبیعت کو نہایت انبساط حاصل ہوتا ہے لیکن یہ تمام جواہر ابتدائی حالت کے معلوم ہوتے ہین۔ کیونکہ سید صفیر بلگرامی کی تحقیق کے مطابق وہ آخر زمانے مین بالکل سودا بن گئے تھے۔ آزاد کا یہ مسلک جمہور کے خلاف ہے

اور چونکہ وہ شیخ ذوق کے شاگرد رشید نہیں بلکہ مُرید ارادتمند ہیں۔ اسلئے اُنھوں نے اپنے پیرو مرشد کی عزّت و حرمت برقرار رکھنے کیلئے تعریف و توصیف کی سیاہی سے آبِ حیات کے صفحات سیاہ کرکے دنیا پر ثابت کر دیا ہے "کہ آب چشمۂ حیوان درون تاریکی ست" اور ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:۔

عام جوہر اُن کے کلام کا تازگیٔ مضمون، صفائی، چستیٔ ترکیب، خوبی محاورہ اور عام فہمی ہے مگر حقیقت میں رنگ مختلف وقتون مین مختلف رہا۔ ابتدا مین مرزا رفیع کا انداز تھا شاہ نصیر سے ان دنون معرکے ہو رہے تھے۔ انکا ڈھنگ وہی تھا اسلئے انھون نے بھی وہی اختیار کیا۔ اسکے علاوہ مرزا کی طرز کے گرمانے مین اور لوگون کے لب ودہن سے واہ وا نکال لینے مین ایک عجیب جادو کا اثر ہے چنانچہ وہی مشکل طرحین چست بندشین برجستہ ترکیبین معانی کی بلندی الفاظ کی شکوہ مین اُن کے ہان بھی پائی جاتی ہین۔ اُن کی غزل ایک گلدستہ گلہائے رنگا رنگ کا ہوتی تھی ہر قافیہ ایک خاص انداز کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے کہ اس مین بندھے تو لطف ہے نہین تو پھیکا رہے۔ پس وہ مشاق باکمال اس بات کو پورا پورا سمجھا ہوا تھا۔ اور جس قافیہ کو جس پہلو کے مناسب دیکھتا تھا۔ اُسی مین باندھ دیتا تھا۔ اور اس طرح باندھتا تھا کہ اور پہلو نظر نہ آتا تھا۔ ساتھ ہی اسکے صفائی اور محاورہ کو ہرگز نہ جانے دیتا تھا۔

جاننے والے جانتے ہین کہ اصلی میدان اُنکی طبیعت کا سودا کے انداز پر زیادہ تھا۔ نظم اردو کی نقاشی مین مرزا موصوف نے قصیدہ پر دستکاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کے بعد شیخ مرحوم کے سوا کسی نے اسپر قلم نہین اُٹھایا۔ اور انھون نے اس مرقع کو ایسی اونچی محراب پر سجایا کہ جہان کسی کا ہاتھ نہین پہنچا۔ انوری۔ ظہیری۔ نظیری۔ عرفی فارسی کے آسمان پر بجلی ہوکے چمکتے ہین لیکن ان کے قصیدون نے اپنی کڑک دمک سے زمین کو آسمان کر دکھایا۔

نواب حامد علی خان مرحوم نے نہایت شوق سے ایک عاشقانہ خط لکھنے کی اُنھین فرمائش کی تھی۔ اُنھون نے وہ نامہ لکھنا شروع کیا۔ ایسے ایسا طول کھینچا کہ تخمیناً تین سو شعر اسکے ہوگئے۔ اگرچہ نامہ ناتمام تھا مگر ایک ایک مصرعہ سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق تھا۔ اسکا نام نامۂ جان سوز تھا۔ اوّل حمد و نعت تھی پھر ساقی نامہ پھر القاب معشوق اسمین اُسکا سراپا اسکے بعد یادِ ایام اسمین چارون موسمون کی بہار مگر اسکے معنون کی نزاکت لفظون کی لطافت ترکیبون کی خوبیان اندازون کی شوخیان کیا کہون سامری کے جادو اور جادو کے طلسم اسکے آگے دھوان ہوکر اُڑے جاتے تھے۔

عبارت کا زور عقیدت کا جوش دیکھئے کہتے ہین۔

کلام کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے ستارے آسمان سے اُتارے ہین مگر اپنے لفظون کی ترکیب سے اُنھین ایسی شان و شکوہ کی کرسیون پر بٹھایا ہے کہ پہلے سے بھی اونچے نظر آتے ہین۔ انھین قادر الکلامی کے دربار سے ملک سخن پر حکومت مل گئی ہے کہ ہر قسم کے خیال کو جس رنگ سے چاہتے ہین کہہ جاتے ہین کبھی تشبیہ کے رنگ سے سجا کر استعارہ کی

بُو سے بساتے ہین کبھی بالکل سادے لباس مین جلوہ دکھاتے ہین مگر ایسا کچھ کہہ جاتے ہین کہ دل مین نشتر سا کھٹک جاتا ہے۔ اور مُنہ سے کبھی واہ نکلتی ہے اور کبھی آہ نکلتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے ہونٹون مین شُستہ اور برجستہ لفظون کے خزانے بھرے ہین۔ اور ترکیب الفاظ کے ہزارون رنگ ہین۔ مگر جسے جہان سجتا دیکھتے ہین وہ گویا وہین کے لئے ہوتا ہے۔ وہ طبیب کامل کی طرح ہر مضمون کی طبیعت کو پہچانتے تھے کہ کونسا ہے۔ کہ سادگی مین رنگ دے جائیگا اور کونسا رنگینی مین جس طرح کامل مصوّر کی تیزی قلم کو اُسکے رنگون کی شوخی روشن کرتی ہے۔ اسی طرح اُن کے مضمون کی باریکی کو ان کے الفاظ کی لطافت جلوہ دیتی ہے۔ انہین اس بات کا کمال تھا کہ باریک سے باریک مطلب اور پیچیدہ سے پیچیدہ مضمون کو اس صفائی سے ادا کر جاتے تھے۔ گویا ایک شربت کا گھونٹ تھا کہ کانون کے رستے سے پلا دیا اسی وصف نے نادانون کو غلطی مین ڈالا ہے۔ جو کہتے ہین اُن کے ہان عالی مضامین نہین بلکہ سیدھی سیدھی باتین اور صاف صاف خیالات ہوتے ہین۔ وہ نہین جانتے کہ ان ہونٹون مین خدا نے عجب تاثیر دی تھی۔ کہ جو لفظ اُن سے ترکیب پا کر نکلے ہین خود بخود زبانون پر ڈھلکتے آتے ہین جیسے ریشم پر موتی۔ خدا جانے زبان نے کیسی آئینہ کی صفائی اُڑائی ہے۔ یا انھون نے الفاظ کے نگینون پر کیونکہ جلا کی ہے جس سے کلام مین یہ بات پیدا ہو گئی ہے۔ حقیقت مین اسکا سبب یہ ہے کہ قدرتِ کلام اُن کے ہر ایک نازک اور باریک خیال کو محاورہ اور ضرب المثل مین اس طرح ترکیب دیتی ہے۔ جیسے آئینہ گر شیشے کو قلعی سے ترکیب دیکر آئینہ بناتا ہے اسی واسطے صاف ہر ایک شخص کی سمجھ مین آتا ہے۔ اور دل پر اثر بھی کرتا ہے۔ ان کا مضمون جس طرح دلکو بھلا معلوم ہوتا ہے اسی طرح پڑھنے مین زبان کو مزا آتا ہے ان کے لفظون کی ترکیب مین ایک خداداد چستی ہے۔ جو کلام مین زور پیدا کرتی ہے وہ زور فقط ان کے دل کا جوش ہی نہین ظاہر کرتا بلکہ سُننے والونکے دل مین ایک خروش پیدا کرتا ہے۔ اور یہی قدرتی رنگ ہے جو ان کے کلام پر سودا کی تقلید کا پرتو ڈالتا ہے ان کے دیوان کو جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو اس سے رنگا رنگ کے زمزمے اور بوقلمون آوازین آتی ہین۔ ہر رنگ کے انداز موجود ہین یہی سبب ہے کہ اُن کے دیکھنے سے دل اکتا نہین جاتا وہ لفظ لفظ کی نبض پہچانتے تھے۔ اور مضامین کے طبیب تھے جس طرح برجستہ بیٹھتا دیکھتے تھے باندھ دیتے تھے۔ خیال بندی ہو یا عاشقانہ یا تصوّف اُن کے سینے مین جو دل تھا گویا ایک آدمی کا دل نہ تھا ہزارون آدمیونکے دل تھے اسواسطے کلام اُن کا مقناطیس کی طرح قبول عام کو کھینچتا ہے۔ دل دل کے حالات باندھتے تھے گویا اپنے ہی دل پر گذری ہے۔ (آب حیات صفحا ۴۷۳ ۔ ۴۷۴ ۔ ۴۷۵)

اس مبالغہ آمیز قصیدہ گوئی کی شانِ نزول یہ ہے کہ آزاد نے وہ تمام الفاظ و فقرات جو شعرائے اردو پر ذائے زنی کرتے ہوئے دولت بخیل کی طرح بچا بچا کر رکھے تھے اور وہ تمام وقت جو مستحقین مدح و ستائش کی مدح و ستائش سے گریز کر کے آب حیات کے لئے نکالا تھا۔ دونون چیزین فراخ دلی کے ساتھ یہان خرچ کر دین اور اپنی لفاظی کے زور سے شیخ ذوق مرحوم کو

اُٹھا کر آسمان شاعری کے اُس اونچے مقام پر لیجا کر بٹھا دیا جہان سے اُن کے رنگ کلام مین سفیدی وسیاہی کا امتیاز دشوار ہو گیا۔ بہادر شاہ ظفر نے اگر اپنے اُستاد کو سریر عزت پر متمکن کرنے مین شاگردی کا حق ادا کیا تھا تو آزاد کم رہنے والے نہ تھے۔ انھون نے ارباب نظر کی آنکھون مین خاک جھونک کر وہ کام کر دکھایا کہ جب تک اُردو دان طبقہ مین تنقید کا بازار گرم رہے گا۔ مشتاقان ادب آب حیات اور سرچشمہ آبِ حیات کو اپنے دل سے محو نہ کر سکین گے۔

آبِ حیات کی تصنیف اور مصنف آب حیات کی زندگی ذوق کے واسطے تھی اور ذوق کے کام آئی۔ اگر اس سلسلے مین مرزا سودا، سید انشا، شاہ نصیر بلکہ شیخ ناسخ کا ذکر بھی اچھے الفاظ مین آگیا ہے تو یہ سب طفیل ذوق کا ہے۔ غزل گوئی کے لحاظ سے ان حضرات مین کوئی صفت ہو یا نہ ہو لیکن یہ فخر کیا کم ہے کہ آزاد کے گیتون مین شامل ہونا نصیب ہو گیا۔ نہ آزاد ذوق کے شاگرد ہوتے نہ ان کی حیات لکھی جاتی نہ اس حیات کے ایک ایک پہلو کو روشن اور ایک ایک بات کو اجاگر کرکے دکھانے کیلئے متقابلین کی تعریف وتوصیف لازمی قرار پاتی اور یہی سبب ہے کہ مرزا سودا کے مقابلے مین میر تقی کی شاعرانہ واخلاقی تصویر بگاڑتے، انشا کا لحاظ کرکے شیخ مصحفی کے کمالات حسنہ کو بدنما کرتے، ناسخ کی رعایت مد نظر رکھ کر خواجہ آتش کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک روا رکھنے، اور ذوق کی عقیدت وارادت کے جوش مین غالب مرحوم کو با دل ناخواستہ جگہ دینے مین آزاد کی طرف سے کسی خوش مذاقی کا اظہار نہین ہوا

المختصر متقدمین مین میر تقی، میر سوز اور میر درد کے متبعین ومقلدین تو سیکڑون ہوئے مگر مرزا سودا کے نامقبول رنگ پر شاذ ونادر ہی کسی کو چلنے کی جرأت ورغبت ہوئی اور جو لوگ قضا کے مارے ادھر آ پڑے اُنکی شاعری کا حشر ارباب فہم مین اسکے سوا کچھ نہ ہوا کہ غزل گو یونکے گروہ سے خارج سمجھے گئے۔

شیخ مصحفی کے متعلق یہ ہے کہ انھون نے مرزا سودا کا آخری زمانہ پایا تھا اور دہلی کے تکلف پرست طبقے مین بیٹھ کر اپنی شاعری کے جوہر دکھائے تھے۔ اسلئے اُن کے کلام مین ہر جگہ تو نہین البتہ کہین کہین سودا کا رنگ نظر آجاتا ہے۔ جسے زیادہ تر اوائل شاعری کا حاصل کہنا چاہئے مگر بایں ہمہ انھون نے تلاش مضمون وجستجوئے خیال تازہ مین کوہ کندن وکاہ بر آوردن پر کبھی عمل نہین کیا اعتدال ومیانہ روی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نہ اتنا نیچے جاتے تھے کہ ہر کس وناکس کی رسائی ہو جائے نہ اتنا اونچا اُڑتے تھے کہ بالکل اوجھل ہو جائین یہ حالت بھی کچھ زیادہ عرصے تک قایم نہ رہ سکی اور یہ دیکھکر کہ مرزا سودا کا غیر فطری رنگ اپنی بے اثری وبے کیفی کی وجہ سے عامتہ الناس مین عزت کی نظر سے نہین دیکھا جاتا۔ انھون نے بہت جلد رُخ بدلا اور اپنے اصلی رنگ پر آگئے۔

شیخ مصحفی کا اصلی رنگ وہی ہے جو میر تقی ومیر سوز کی محاورہ بندی کا رنگ ہے۔ جس طرح یہ دونون اُستاد تھوڑے بہت فرق کے ساتھ واردات وکیفیات قلب کو معمولی معمولی لفظون مین ظاہر کرنیکے عادی تھے۔ اسی طرح شیخ مصحفی مرحوم نے بھی مضامین عشقیہ کے ساتھ سادگی بیان کو اختیار کرکے اپنی غزل کو صحیح معنون مین غزل بنا دیا جیسا کہ ہم نگار دسمبر مین ثابت کر چکے ہین۔ اسی کیفیت وحالت کا اندازہ کرکے مولوی عبد السلام نے فرمایا ہے کہ متوسطین مین مصحفی نے "اردو غزل گوئی کا بہترین نمونہ

قائم کر دیا تھا۔

ان کے اور ان کے شاگرد خواجہ آتش کے کلام کو دیکھئے جذبات لطیف مین جوش اور اُن کے اظہار مین دلکشی و دل آویزی شاعری کے دونون عناصر پہلو بہ پہلو نظر آتے ہین مگر بقول حضرت عزیز لکھنوی اسوقت کے محشرستان مین ان کے لطیف نغمے اس طرح دبے کہ سبق آموز نہ ہوسکے یا یون کہو کہ طبیعتون مین اُسکے قبول کرنیکی صلاحیت ہی نہ تھی۔

جب سید انشا اور مرزا سودا کی تقلید مین شیخ ناسخ اردو شاعری کے پھلے پھولے چمن کو برباد کرنے مین مصروف سعی تھے اور لکھنؤ کی غیر صلاحیت پذیر ہستیان جوش و خروش کے ساتھ اُن کے توسن باد پا کی باگ پکڑنے دوڑ رہی تھین تو رنگ قدیم ضلع جگت اور لفاظی کے گرد و غبار مین اس طرح اٹا ہوا تھا جس طرح چودھوین رات کے چاند پر ابر کی سیاہی اپنا قبضہ کرنی چاہتی ہے شیخ مرحوم نے اسی حالت کی طرف اشارہ فرمایا ہے

تھا جو شعر راست سرو بوستان ریختہ	اب وہی ہے لالۂ زرد خزان ریختہ
پیچ دے دے لفظ و معنی کو بناتے ہین کلفت	اور پھر وہ اُسپہ رکھتے ہین گمان ریختہ
فہم مین اتنا نہین آتا بحکم رائے پست	اس بلندی سے گھٹی جاتی ہے شان ریختہ
خوان نعمان بن کے پہنچا ہر کس و ناکس کے ہاتھ	قطع سلطان کا جو تھا مخصوص خوان ریختہ
جب سے معنی بند کا چرچا ہوا اے مصحفی	خلط مین جاتا رہا حسن بیان ریختہ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نئی تراش خراش نے ان کے دل پر کسقدر اثر کیا ہوگا۔ اور میر تقی کی سیدھی سادی وضع یعنی اپنی محاورہ بندی کی شاعری اپنی آنکھون کے سامنے بے اثر ہوتے دیکھ کر کسقدر رنجیدہ ہوئے ہونگے لیکن زمانہ کی روش کسے چھوڑتی ہے رفتہ رفتہ وہ بھی ایک دن اسی بلا مین مبتلا ہو گئے۔ ان کے دیوان ششم مین کہین کہین رنگ جدید کی جھلک اسی طرح نظر آجاتی ہے جس طرح بالفاظ آزاد میر سوز کے کلام مین دو چار شعر دن کے بعد ایک آدھ پرانا لفظ کھٹک جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مرزا کا طرز کلام نہ کبھی شیخ مصحفی کو پسند آیا اور نہ اُسے قابل تقلید سمجھا تاہم وقتاً فوقتاً غزلین اس انداز مین لکھ گئے ہین وہ مرزا سودا کی تمام خصوصیات کمال پر حاوی ہین ان مین الفاظ کی شان و شکوہ معانی کی تازگی و بلندی اور ترکیبون کی چستی و درستی زمین شعر کو آسمان سے ٹکرائے دیتی ہے۔ بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا سودا شیخ مصحفی کے روپ مین مجمع اہل کمال کے سامنے اپنی شہزوری کا اعلان کر رہے ہین یہی موقع ہے جہان پہونچکر شیخ مصحفی کے کلام بلاغت نظام اور سید انشا کے اجتہادی کارنامونکی سرحدین ایک دوسرے سے ملجاتی ہین

مشکل اور سنگلاخ زمینون مین اپنی کاوش فکر سے وہ کمالات دکھائے ہین کہ مرزا سودا کی کارگزاریان مات نظر آتی ہین ان غزلون مین بہت سی غزلین بقا، اللہ خان بقا شیخ ولی اللہ محب اور شیخ قیام الدین قائم بلکہ خود مرزا سودا کی غزلون پر کہہ کر داد سخن دی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مشاعرہ مین پڑھی گئی ہین۔ بہت سی ایسی ہین۔ جو مرزا سودا کے ردیف و قافیے مین

تھوڑا سا تغیر کر کے اپنے استعمال کے لائق بنائی گئی ہین اور اپنی اُستادی کے جھنڈے گاڑنے مین ان سے کام لیا ہے۔ بیشتر مشکل ردیفین خود اختیار کی ہین اور اس قسم کی تمام غزلون مین اسقدر صفائی و سلاست سے کام لیا ہے کہ ردیف کی مشکلات نے محاورات کے تیور پر بل نہین آنے دیا یعنی ایسے موقع پر شاہ نصیر اور شیخ مصحفی مین کوئی فرق نظر نہین آتا۔

جہان حریفانہ طور پر مرزا سودا کا مقابلہ کیا ہے۔ دیگر خصوصیات کی طرح استعارہ و تشبیہ اور دعویٰ و دلیل مین تطابق پیدا کرنیکے لئے تمثیل بیان کرنے مین بھی کوئی کمی نہین کی متعدد غزلین ہین کہ جن مین مطلع سے مقطع تک اخلاقی مضامین بیان کرتے چلے گئے ہین یہانتک کہ عاشقانہ مضامین بھی تمثیل و تشبیہ سے کام لیا ہے۔ اگرچہ نوعیت مضمون کے لحاظ سے اس قسم کا تمام کلام مرزا سودا کے کلام کے مقابلے مین رکھا جا سکتا ہے لیکن بلحاظ صفائی زبان اور روانی بیان ان سے کہین بڑھ چڑھ کر ہے۔

تھا سُرخ پوش وہ گل شاید چمن کے اندر
شعلہ سا شب پھرے تھا سرو و سمن کے اندر

جو ہاتھ دلبرون کے دامن کو کھینچتے تھے
اب کھنچ کے رہ گئے ہین کیسے کفن کے اندر

گورے بدن کا عالم اُسکا مین رات دیکھا
اک نور کا جھمکڑا اٹھا پیرہن کے اندر

شکوہ کا نامہ اُس نے وہ خونچکان لکھا تھا
چھریان رکھین تھین جسکی ہر اک شکن کے اندر

وعدہ نہ مصحفی سے جھوٹا کروگے صاحب
ہے اک زبان حلال اس سارے بدن کے اندر

کلام کا زور اور مضمون کی نزاکت اس طرح دونون دست و گریبان ہین کہ بیک وقت سامع کے دماغ کو مسحور کر لیتے ہین۔ مطلع کی رنگینی کا کیا ٹھکانا ہے۔ یہی شعلہ تو ہے جسکی گرمی اور روشنی آزاد نے مرزا سودا کے کلام مین دیکھی دوسرے شعر مین کھینچنے اور کھنچنے سے دو مختلف حالتون کی نقاشی کر کے موت و حیات یا بالفاظ دیگر دنیا و آخرت کو ایک جگہ کھینچکر رکھدیا ہے یہ شعر محاسن شاعری کی دنیا مین ہمیشہ روشن و منور نظر آنے کے قابل ہے۔ لفظرات کا انتخاب کسقدر جدت کے ساتھ کیا ہے۔ چوتھے شعر مین خط کی شکن کو چھریان دھرنیکی جگہ بنا کر خونچکانی کا سامان فراہم کرنا تلاش مضمون کی بہترین مثال ہے۔ مقطع کا تو کہنا ہی کیا۔ شعر کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ زبان حلال ہے اور جھوٹ بولنا حرام اور چونکہ جھوٹ زبان سے بولا جاتا ہے۔ اس لئے حلال سے حرام کا ظاہر ہونا چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی کا مصداق ہے۔ شاعر صرف یہ کہکر کہ مجھسے جھوٹا وعدہ نہ کرو کیونکہ سارے بدن مین زبان ہی اک حلال چیز ہے باقی حصہ حذف کر دیتا ہے جو بجائے خود نہایت لطیف پیرایۂ بیان ہے۔ احترام معشوق دیکھئے یہ نہین کہا کہ جھوٹ بولنے کی بات تمھاری زبان حرام سے آشنا ہو جائیگی۔ بلکہ ایک کلیہ بیان کر دیا جس میں یہ ضروری کیفیت خود بخود آ گئی۔ ایثار محبت دیکھئے جھوٹے وعدے سے روکنے کے لئے اپنے نقصان کا حوالہ نہین دیا بلکہ معشوق کی زبان کو حرام سے پاک صاف رکھنے کی طرف اشارہ کیا جس مین پہلی بات بھی شامل ہے

تم گرم ملے ہم سے نہ سرما کے دنون مین
پیش آئے بگرمی بھی تو گرما کے دنون مین

نے غرفے سے جھانکے نہ کبھی بام پر آئے
پنہان ہی رہے حسن دل آرا کے دنون مین

جی ہی مین رکھی اپنے میان ہنسے جو اُپچی | کچھ ہم نے کہا تم سے تمنا کے دنون مین
دل اپنا الجھتا تھا تبھی جن دنون پیارے | تھی زلف تری طرۂ لیلیٰ کے دنون مین
مفلس ہوئے اے مصحفی افسوس کہ ہم نے | پیدا نہ کیا یار کو پیدا کے دنون مین

مرزا سودا کا یہی رنگ ہے جو غزل کے ایک ایک مصرعہ سے نمایان ہو رہا ہے۔

غنچے نے ترے لب سے لیا دام تبسم | اور آنکھون سے سیکھا گل بادام تبسم
زلفون مین اچنبھا نہین کچھ اسکی بناگوش | یان کرتی ہے نت صبح تہِ شام تبسم
جس گھر مین ہو خورشید رخ یار کا جلوہ | موجود ہو وان تا بلب بام تبسم
اس زیر لبی خندہ کے کشتون مین ہون جسکا | نزدیک ادا فہمون کے ہے نام تبسم
اے مصحفی میرے دل ناشاد کی خاطر | ایجاد کیا اُس نے بدشنام تبسم

ایک ایک مصرعہ پکار رہا ہے کہ مین شیخ مصحفی کی ملکیت نہین مرزا سودا کی تراوش ہون مطلع مین دونون قافیون کو اس طرح درست بٹھا دینا چودھوین صدی کے شعرا کا کام نہین ہے زلف اور بناگوش کی تشبیہ صبح تہ شام کے ساتھ شاعرانہ کارنامہ ہے تا بلب زیر لبی خندہ اور بدشنام وہ ترکیبین ہین جن سے ان کے کمال کا ثبوت ملتا ہے۔

شبنم کا قطرہ ہی نہ فقط آبدیدہ تھا | تربت پہ میری گل بھی گریبان دریدہ تھا
دن رات طفل اشک کبھی نور دیدہ تھا | رونے سے آشنا دل حسرت کشیدہ تھا
آتی تھی رنگ گل سے مجھے رات بوئے خون | عاشق کا کیا ترے وہ گلوئے بریدہ تھا
اب لامکان سے بھی ہے ادھر اُس کی بود و باش | عرش آشیان جو طائر رنگ پریدہ تھا
شب اشتیاق بوسۂ رخ مین ترے صنم | ہر ایک برگ گل لب حسرت گزیدہ تھا

شبنم و گل یہی دو چیزین ہین جن سے دونون قافئے دو صفتون سے متصف ہو گئے اور عاشق ناشاد کی تربت پر حسرت و یاس کی بارش کر رہے ہین چوتھے شعر کی معنویت تک پہونچنے کے لئے ذرا بلند دماغ کی ضرورت ہے۔ پانچوین برگ گل کو لب حسرت گزیدہ سے تشبیہ دینا مرزا سودا سے قریب تر کر دیتا ہے۔

کیا عہد کوئی اُس بت سفاک سے باندھے | سر کاٹ کے عاشق کا جو فتراک سے باندھے
جاؤن جو حرم مین تو میری آہ کا شعلہ | قندیل ستون حرم پاک سے باندھے
پلکین نہ کبھی سدرہ اشک روان ہون | دریا کو نہ کوئی خس و خاشاک سے باندھے
گر دیدۂ بینا ہو تو صناع ازل نے | کیا کیا نہ طلسم ایک کف خاک سے باندھے
چسپیدگی دل سے عجب کیا ہے جو عاشق | تیر ادم خنجر جگر چاک سے باندھے

کل مین شبِ ہجران مین ترے غصے کے مارے	الماس کے ٹکڑے جگر چاک سے باندھے
ہم سجدہ ادا کر چکے اب سر کو ہمارے	نیزے پہ رکھے خواہ وہ فتراک سے باندھے
دریائے سرشک اپنا جو طغیانی پر آوے	دامن کو وہین دامن افلاک سے باندھے
کیا کیا نہ غزال ختنی مصحفی مین نے	اس دشت مین تارِ نظر پاک سے باندھے

تیسرے شعر کی تشبیہی کیفیت غور طلب ہے۔ اشک روان کو دریا اور پلکون کو خس وخاشاک سے تشبیہ دینا نادر نہین تو اور کیا ہے۔ پانچوین شعر کی جان چسپیدگی دل ہے چاک جگر کی تسکین کیلئے قاتل کے دم خنجر کو بھاہا بنانا نہایت مزے کی بات ہے۔ ساتوان شعر نیاز عشق اور صبر وتسلیم کا اعلیٰ مظہر ہے مقطع فخریہ نہین واقعہ ہے کلام کا زور اور مضمون کی نزاکت دونون کا لحاظ کیجئے زبان پر حاکمانہ قدرت رکھنا اسی کا نام ہے

سیراب آب جو سے قدح اور قدح سے ہم	سرخوش گلون کی بو سے قدح اور قدح سے ہم
چہرے پہ ہے گلال جو اُس مست ناز کے	رنگین ہے عکس روسے قدح اور قدح سے ہم
پیر مغان کرم ہے جو سیراب ہو سکے	تیرے نم وضو سے قدح اور قدح سے ہم
حلقہ نہین یہ کاکل ساقی مین بلکہ ہے	وابستہ مو بمو سے قدح اور قدح سے ہم
شیشہ جو پھوٹ جائے تو پھوٹے مگر نہ ہو	یارب جدا سبو سے قدح اور قدح سے ہم

اسکے مقابلہ مین بقا کی غزلین بھی دیکھو اور پھر فیصلہ کرو کہ مصحفی کا کیا مرتبہ تھا

مصحفی کی ایک اور غزل ملاحظہ ہو:۔

ہے کاروان رفتہ فراموش نقش پا	بانگ جرس کو سُن نہ سکے گوش نقش پا
تلوے ہون ایسے کیون کہ فراموش نقش پا	دیکھے سے جن کے صاف گیا ہوش نقش پا
اُفتادگان وادی غربت کی سرگذشت	کرتا ہے خود بیاں لب خاموش نقش پا
رنگ کفک سے تا نہ ہوا اُسکے ہم کنار	نکلی نہ دل سے حسرت آغوش نقش پا
اک ناز سے جب اُسنے زمین پر رکھا قدم	سو منتین رکھین بسر دوش نقش پا
تربت پہ میری بھول کر اُسنے رکھا تھا پاؤن	اب تک دعا مین ہین لب خاموش نقش پا
کس کی حنائے تازہ کے ہین فرش پر نشان	فراش اب تلک ہین جو مدہوش نقش پا
مین ناتوان زمین پہ قدم کیا رکھون کہ ہے	ہستی مری گران بہ سر دوش نقش پا

رو تد حسن مین ہم تو ہو گئے پامال مصحفی
از بس کہ اس گلی مین ہوا جوش نقش پا

اسکے ساتھ ہی مرزا سودا کی غزل پر بھی نگاہ ڈالو۔ اور پھر انصاف کرو کہ مصحفی کیا چیز تھا۔

ایک اور سنگلاخ زمین مین مصحفی فرماتے ہین:۔

روبرو اُسکی جو تھی شب فندق گلرنگ و شمع
تا سحر کرتا تھا مین سیر گل اور نگ و شمع

وہ تو ہو اسیر تصدق یہ کرے اس سے گریز
دیدنی ہے صحبت پروانۂ بے ننگ و شمع

جانتا گر مین کہ مانی تری کھینچے گا شبیہ
متصل ہونے نہ دیتا کاغذ بیرنگ و شمع

داغ سینہ کا وہی ہے سختی ہجران وہی
قبر عاشق کو نہین کچھ احتیاج سنگ و شمع

ہم تصور مین تری انگشت فندق بند کے
رکھ کے سو رہتے ہین بالین پر گل اورنگ و شمع

مجلس احباب مین شب ہم گئے تو لطف کیا
صبحدم تھا ایک چہرے کا ہمارے رنگ و شمع

عاشق دیوانہ کو کیا مجلس افروزی سے کام
عشق مین کیونکر ہو یکجا ترک نام و ننگ و شمع

مین قسم کھاتا ہون جھپکی ہو ذرا گر میری آنکھ
رات تھا پیش نظر اُس حسن کا تیرنگ و شمع

دل جلون کے تن پہ ہے ہر پیرہن فانوس وار
مصحفی یکجا نہ ہو ہرگز لباس تنگ و شمع

شمع کی ردیف اور اُسکے ساتھ دوسری بالکل غیر متعلق چیز کا جمع کر لینا آسان نہین ہے۔ ایک ایک شعر کاوش فکر کا بے مثل نمونہ ہے۔ چوتھے شعر کی برجستگی داد کی مستحق ہے پانچوان شعر تشبیہ کے حسن انتظام کا لحاظ کرتے ہوئے اعجاز سے کم نہین گل اورنگ و شمع کے اجتماع کو انگشت فندق بند کے تصور کے ساتھ اس ترکیب سے وابستہ کیا گیا ہے کہ ہر پہلو سے روشن معلوم ہوتا ہے۔ آٹھوان شعر حسرت و یاس کی ایک دنیا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ ترک نام و ننگ اور شمع ایک جگہ نہین ہو سکتے عاشق دیوانہ کی ترکیب کسقدر درست ہے مجلس افروزی کا موقع اس سے بہتر کہان دستیاب ہو سکتا ہے۔ مقطع بھی اپنے رنگ مین لاجواب ہے۔ بقول مولوی عبد السلام مرحوم ایسی سنگلاخ زمینون مین سر رشتۂ مضمون کو ہاتھ سے نہ دینا ان ہی بزرگون کا کام تھا۔ متاخرین سے یہ کمان زہ نہ ہو سکی۔ اسیر آزاد کہتے ہین کہ سودا کا کچھ کچھ سایہ پڑ جاتا ہے۔ خود دو چار شعر لکھنے بیٹھتے تو حقیقت کھلجاتی

ایک غزل اور ملاحظہ ہو:۔

میری نشستگاہ تو اکثر زمین ہے
مانند نقش پا مرا بستر زمین ہے

آتا ہے جی مین رو کے ڈبو دون اسے بھی مین
تھوڑی سی یہ جو پانی کے باہر زمین ہے

دیکھو نہ خاکسارون کا بستر بہ چشم کم
رتبے مین آسمان کی برابر زمین ہے

ہم جانتے ہین کوچۂ جانان کا مرتبہ
مسجود خلق ہے یہ عجب سرزمین ہے

اک دن ہوا تھا وہ گل عارض عرق فشان
اب تک ہمارے گھر کی معطر زمین ہے

کس بات پر ترا ہے دماغ آسمان پر
منزل گہ فقیر و توانگر زمین ہے

ہون خاک پائے خلق مین دنیا مین مصحفی — یعنے بسانِ مور مرا گھر زمین ہے

دوسرے شعر کی بلند حوصلگی نواب مصطفےٰ خان شیفتہ سے دریافت کیجئے۔ چوتھا شعر ندرت تخییل کا بہترین مرقع کہا جاسکتا ہے کوچۂ جانان کا مرتبہ بڑھانیکے لئے مسجودِ خلق کہنا اور اس نسبت سے عجیب سرزمین کا خطاب دینا اُستادی سے بھی زیادہ ہے سرزمین کے اصلی معنی جیسے یہان بیان ہوگئے۔ دوسری جگہ شاید ہی ہوسکین۔

صاف چولی سے عیان ہے بدن سرخ ترا — نہین چھپتا تہِ شبنم چمن سرخ ترا
یہی عالم ہے اگر اسکا تو دکھلائے گا — بارشِ خون کا سمان پیرہن سرخ ترا
وائے ناکامی کہ عاشق کو ترے موت آئی — قابلِ بوسہ ہوا جب دہن سرخ ترا
خون سے آلودہ ہوتا ہے تو لے اشکِ سفید — نام ہم کیون نہ رکھین یاسمن سرخ ترا
آتش تیز پہ ٹھہرا ہے کہین یون بھی سپند — کہہ رہا ہے یہی خالِ ذقن سرخ ترا
یہی پوشاک کا ہے رنگ تو اے گل ہوگا — تشنۂ خون چمن پیرہن سرخ ترا
کاش اے کشتے تو محشر مین اُٹھے ہو کے فقیر — گیرا مٹی مین ہووے کفن سرخ ترا
مصحفی چاہئے کیا اس کو دلیلِ قاطع — سبز ہے خود بہ تخلص سخن سرخ ترا

اک تو تھا آتش سوزان بدن سرخ ترا — شعلہ بر شعلہ ہوا پیرہن سرخ ترا
شمع گلگون غم پروانہ مین خون آشنا نہ رو — طشت آتش تو بنا ہے لگن سرخ ترا
سُرخ عیار سے تو کم نہین لے دزدِ حنا — کف رنگین بتان ہے دہن سرخ ترا
یون ہی اے کشتہ جو آیا تو صفِ محشر مین — آگ دیویگا لگا وان کفن سرخ ترا
تو اگر نافۂ آہو ہے تو اے عقدۂ زلف — وہ ہے رخسارۂ رنگین ختن سرخ ترا
ہر پری چہرہ ہے پوشیدہ لباس گلگون — مین تو دیوانہ ہون اے انجمن سرخ ترا
مصحفی زخم ہے تیشے کا ترے ہر مو پر — نام ہم کیون نہ رکھین کوہکن سرخ ترا

یہ غزلین اُس زمانہ کی ہین جبکہ بقول آزاد شیخ مصحفی کی پیری نے پرواز کے باز و ضعیف کردیئے تھے اور بقول کسے پہلوان سخن شاہ نصیر لکھنؤ مین موجود تھے۔ واقعہ بندی کا حق اور کتابون مین ادا کیا گیا ہے ہمین صرف یہ دکھانا ہے کہ جوان طبیعت شاہ نصیر نصیر نے جنکی تعریف و توصیف ان کے ارادتمند شاید پانچون وقت کرتے ہونگے۔ اس قافیہ اور ردیف مین صرف ایک ہی غزل لکھی اور پڑھی جو آبحیات مین درج ہے۔ مگر اسی کہن سال مصحفی نے نہ صرف تین غزلین کہہ کر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے بلکہ ایک غزل کا اور بھی اضافہ کردیا جسمین سرخ ترا کے بدلے دہن سرخ ترا کو ردیف قرار دیکر گل و بلبل کو قافیے کے لئے انتخاب کیا گیا تھا۔ اگر کسی کی

چشم انصاف بند نہ ہو تو بھی مصحفی کی تصویر کمال کے لئے آئینہ کا کام دے سکتی ہے۔ لیکن جب ہم آزاد کے قلم کو شاہ نصیر کی تعریف و توصیف میں شورش انگیز دیکھتے ہیں اور شیخ مرحوم کی اوصاف نگاری کے وقت گند و شکستہ تو ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی

منعم عبث عبث ہے گرفتار سنگ وخشت ۔۔۔ دب جائیگا کبھی تہ دیوار سنگ وخشت
لعل و گہر کا مرتبہ کیا جانتے ہیں وہ ۔۔۔ جو عمر بھر رہے ہیں خریدار سنگ وخشت
میرے جنون کے عہد میں لڑکون کے ہاتھ سے ۔۔۔ ثابت نہیں زمین پر آثار سنگ وخشت
لڑکون کی خالی اب نظر آتی ہیں جھولیان ۔۔۔ بس ہم تلک تھی گرمی بازار سنگ وخشت
شورِ جنون نہ اس سے گیا ہائے مصحفی ۔۔۔ یہ سر رہا ہمیشہ طلب گار سنگ وخشت

آغاز صبح ہجر کا انجام دور ہے ۔۔۔ اے دیدہ اور روکہ ابھی شام دور ہے
انصاف تو کرو دل بیتاب کو مرے ۔۔۔ آرام کس طرح ہو دل آرام دور ہے
مے پی چکون تو دیکھنا بدمستیان مری ۔۔۔ یارو ابھی تو لب سے مرے جام دور ہے
بیٹھا ہے نقش سب کا لب یار پر درست ۔۔۔ اِلّا کہ اس نگین سے میرا نام دور ہے
نازان ہو اسقدر نہ کمند شعاع پر ۔۔۔ اے آفتاب اسکا لب بام دور ہے
جب سے نظر پڑی ہے اُس ابرو کی تیغ پر ۔۔۔ سر سے ہمارے بالش آرام دور ہے
کیون مصحفی کو دیکھ کے کہتا ہے دور دور ۔۔۔ قدرت ہوئی کہ آپ یہ بدنام دور ہے

ہو کیونکر مصحف دل کی مرے تفسیر بےمعنی ۔۔۔ کہ دانشمند کی ہوتی نہیں تقریر بے معنی
جو آیا وان سے مجھسے اُسنے کی تقریر بےمعنی ۔۔۔ مرے خط کی تو کچھ ایسی نہ تھی تحریر بےمعنی
خط اُس نے پڑھ کے میرا پھاڑ ڈالا اس بہانے سے ۔۔۔ یہ خط لکھا ہے کس نے اسکی ہے تحریر بےمعنی
نکالا قتل کرنے کو جو اُس نے مجھکو زندان سے ۔۔۔ تو مقتل تک صدا دیتی گئی زنجیر بے معنی
لکھا ہے صاف اُس مین حالِ قتلِ عاشقِ محزون ۔۔۔ نہیں خطِ غبارِ جوہر شمشیر بے معنی

بے معنی ردیف اور اُس ہین اسقدر صفائی کے ساتھ معنی دار شعر نکالنا اعجاز شاعری ہے۔ تیسرے شعر کے تیور دیکھئے خالص عاشقانہ حیثیت رکھتا ہے۔ جرأت کا اصلی رنگ یہی ہے جسے مومن خان کے خاندان نے متین اور ذوق کے خاندانین خصوصیت کے ساتھ داغ نے بازاری بنا دیا۔ چوتھا شعر بھی عجیب ہے ظاہر اصدائے زنجیر کو معنویت سے کوئی تعلق نہیں لیکن جب اس طرف نگاہ کی جائے کہ معشوق اپنے عاشق کو قتل کرنیکے لئے زندان سے نکال کر قتل کی طرف لیجاتا ہے۔ اور اسیر

محبت کی پابجولانی کی طرف خیال بھی نہین کرتا تو صدائے زنجیر مین خود بخود معنی پڑ جاتے ہین - اُستادی اسی کا نام ہے - پانچوین شعر کی ترکیب کسقدر برجستہ اور چُست واقع ہوئی ہے خطِ غبار جوہر شمشیر کا پیچ در پیچ استعارہ مرزا غالب کی شاعری کی یاد دلا دیتا ہے

ہے گمان اس مصرع قد پہ نہال طور کا
ہون مین شاعر سو جھتا ہے مجھکو مضمون دور کا

عمر آخر مٹ گیا داغ اس دل رنجور کا
صبح پیری مین اثر تھا مرہم کافور کا

کب کوئی مجھ سا ہے عاشق اُس رخ پُر نور کا
چاہئے موسیٰ سا پروانہ چراغ طور کا

معنی الحق یعنی سب جہان پر کھل گئے
دار پر جو وقت سر اونچا ہوا منصور کا

اہل دنیا ثقل سے دنیا کے ہون سرگرم سعی
بوجھ سر پر ہو تو جلد اُٹھے قدم مزدور کا

مان کہنے کو مرے ترک رعونت کر کہ یہان
گوئے بازی بیشتر دیکھا ہے سر مغرور کا

زلف مین افشان ہے گرمی سے عرق افشان وہ رخ
کیا برستا ہے شب مہ مین یہ باران نور کا

خوشون کے مانند سر سے پاؤن تک مین آبلے
آدمی ہے تیرا دیوانہ کہ نخل انگور کا

گلشن امکان ہے جائے انفعال اے باغبان
سرنگون رہنا بجا ہے نرگس مخمور کا

چشم کم سے دیکھتا ہے میرے آنسو کو بھی وہ
شبہ ہے دُر نجف پر یار کو بلّور کا

مصحفی چرخ مکوکب سے نہ آنکھ بھی الجھ
چھیڑنا اچھا نہین ہے خانۂ زنبور کا

دل کرون کیون کر مین اپنا نذر چشم یار کو
رسم ہے آئینہ دکھلاتے نہین بیمار کو

کیا سمجھکر دل دیا تھا مین نے چشم یار کو
اب جدا کیونکر کرون اس سیب سے بیمار کو

نوجوانی کھو کے یون پیری مین غفلت بڑھ گئی
صبح کو آتی ہے جیسے نیند شب بیدار کو

کہکشان نے اور بھی بیقدر گردون کو کیا
مول کب لیتے ہین مردم چینئی مودار کو

زہر ہے یہ ترک کر دینا کی لذت اے حریص
چوستا ہے منہ مین لے کر کیا زبان مار کو

دل جو محکم ہے نہین پروائے دور آسمان
بیل کی ٹکر سے کیا ڈر آہنی دیوار کو

ہو حسینون کو مبارک غازۂ رخسار صاف
دوست رکھتے ہین یہ مرے دیدۂ خونبار کو

عارضی عزت کا خواہان ہی نہین مرد فقیر
کیا علاقہ ہے سر آزاد سے دستار کو

مصحفی چھوڑا در اُس کا تونے نادان کیا کیا
ہاتھ سے دیتا ہے کوئی ایسی بھی سرکار کو

دونون غزلین یہ ثابت کرنیکے لئے کافی ہین کہ تمثیل کا وہی حق شیخ مصحفی نے تمام و کمال ادا کر دیا ہے - جو مرزا سودا، شاہ نصیر، ناسخ اور ذوق کے کلام کا جوہر بتایا جاتا ہے یہان تک تو آزاد بھی تسلیم کرتے ہین کہ دیوان اُنکی اُستادی کو مسلم الثبوت

کرتے رہین انواع و اقسام کی صدہا غزلین ہین جو غزلین سنگلاخ زمینون مین لکھی ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت مشق سے کلام پر قدرت کامل پائی تھی۔ الفاظ کو پس و پیش اور مضمون کو کم و بیش کر کے اس دروبست کے ساتھ کھپایا ہے کہ جو حق اُستادی کا ہے ادا ہو گیا ہے۔ ساتھ اسکے اصل محاورہ کو بھی ہاتھ سے جانے نہین دیتے" لیکن اپنی عادت مستمرہ کے مطابق یہ کہنے سے بھی نہین چوکے کہ ایسے موقع پر کچھ کچھ سودا کا سایہ پڑ جاتا ہے۔

مزے کی بات دیکھئے ایک طرف تو کہتے ہین کہ جو اُستادی کا حق ہے ادا ہو گیا ہے اور محاورہ بھی ہاتھ سے نہین گیا اور دوسری طرف کہتے ہین کہ کچھ کچھ سودا کا سایہ پڑ جاتا ہے۔ آخر اسکا کیا مطلب ہے اگر لفظون کے دروبست مین شیخ مصحفی نے اُستادی کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور یہ صفت درحقیقت مرزا سودا کی ہے تو پھر مرزا سودا کا پورا سایہ کیون نہ تسلیم کیا جائے۔ اور اگر کچھ کچھ سایہ پڑا ہے تو اسکی دو صورتین ہو سکتی ہین یا تو آزاد نے سمجھنے مین غلطی کی یعنی شیخ مصحفی مرحوم نے مرزا سودا کی طرح استادی کا اصلی حق ادا نہین کیا اور یہ بالکل غلط ہے یا مرزا سودا خود اس درجہ تک نہ پہونچے تھے جہان اُستادی کا حق ادا ہوتا ہے اس صورت مین اس فقرہ کا یہ مطلب ہوگا کہ سودا نے اُستادی کا حق تو ادا نہین کیا البتہ الفاظ کے دروبست مین انہون نے پوری کوشش سے کام لیا اور شیخ مصحفی نے مرزا سودا کی تقلید بھی کی اور اُستادی کا حق بھی پورا پورا ادا ہو گیا۔

جن ردیف و توافی مین دونون باکمال اُستادون کو طبع آزمائی کا موقع ملا ہے بہت خفیف تامل کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ مرزا سودا کو شیخ مصحفی کے مقابلے مین کوئی خاص برتری حاصل نہین بلکہ اکثر مقامات پر شیخ مصحفی مرحوم کی فصاحت زبان مرزا سودا کی قدیم اُردو سے اس طرح ممیز نظر آتی ہے جس طرح متفرق رنگ کے پھولون سے سجائے ہوئے گلدستے مین گلاب کا پھول مثلاً:۔

کبھی مین بات بن روئے نہین کی اُس سے پر اُن نے — نہ پوچھا یون سبب کیا ہے ترے ہر بار رونے کا — سودا

ہنسی آتی ہے تیری بات پر اے مصحفی مجھکو — نہ کر تو ذکر میرے سامنے ہر بار رونے کا — مصحفی

مرزا سودا کے شعر مین رو کر بات کرنا طفلانہ حرکت سے کم نہین دوسرے مصرعہ مین یون زائد ہے۔ شیخ مصحفی کا شعر بالکل سانچے مین ڈھلکر نکلا ہے ہر بار رونے کا ذکر سنکر ہنسی آنا فطرت سے کسقدر قریب ہے۔

جو مذکور اُس سے کرتا ہے کوئی غمخوار رونے کا — تو کہتا ہے کہ چپ رہ ہے اُسے آزار رونے کا — سودا

معالج ہو سکے اب کیا کوئی غمخوار رونے کا — کہ ان آنکھون کو اک مدت سے ہے آزار رونیکا — مصحفی

مرزا سودا کے شعر مین رونے والے کی تخصیص نہین ہے مگر شیخ مصحفی نے آنکھون کو رونے کا آزار دیکر اعتراض کی گنجائش نہین چھوڑی۔

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا — پہونچے کب اسکو ہاتھ ہمارے غبار کا — سودا

کرے صبا طواف ہمارے مزار کا — پائیگی پھر نشان بھی نہ مشتِ غبار کا — مصحفی

مرزا سودا نے نہایت اچھی بات کہی ہے جب صبا ہی دامن نہ چھو سکے تو غبار کا ہاتھ کیسے پہونچ سکتا ہے کیونکہ غبار کی رسائی تکا

ذریعہ تو صرف صبا ہی ہے لیکن شیخ مصحفیؔ نے بھی غضب کر دیا، پہلے مصرعہ کی ترکیب کسقدر پرزور ہے۔ اپنے بے نشان ہونے کی اطلاع ایسے پیرایہ مین دینا کہ جیسے صبا کا اس مین مطلق ہاتھ نہ ہوگا ایک کمال شاعرانہ ہے مشت غبار کی ترکیب بھی لطافت سے خالی نہین

خونِ جگر شراب، ترشح یہ چشم تر
ساغر مرا گرو نہین ابر بہار کا — سوداؔ

کچھ دیر ہے رہائی مُرغ اسیر مین
جالے ابھی چمن سے نہ موسم بہار کا — مصحفیؔ

مرزا سوداؔ کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی شراب خواری کیلئے ابر بہار کے محتاج نہین ہین ہمارے لئے خون جگر شراب ہے اور چشم تر بارش اسمین شک نہین کہ بات پیدا کی ہے لیکن تغزل سے بالکل علیحدہ تھی۔ شیخ مصحفیؔ کا شعر بہترین نمونہ تغزل کا ہے۔

چھوٹا جو زلف سے تو پھنسا دام خط کے بیچ
یہ مرغ دل ہمیشہ گرفتار ہی رہا — سوداؔ

مانند مرغ قبلہ نما مرغ دل مرا
نکلا نہ آشیان سے گرفتار ہی رہا — مصحفیؔ

مرزا سوداؔ کا شعر معمولی مضمون خال و خط مین اُلجھا ہوا ہے لیکن شیخ مصحفیؔ نے مرغ دل کی گرفتاری کا نیا پہلو پیدا کیا اور اُسے مرغ قبلہ نما کہہ کر میعاد قید کی اسقدر توسیع کر دی کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھی

کیا فائدہ کہ درپے تحقیق ہم رہین
ملنے سے جبکہ ہم رہے پھر تو کہین رہا — سوداؔ

یاران تیز رو تو سب آگے نکل گئے
اللہ رے ضعف اُن سے مین پیچھے کہین رہا — مصحفیؔ

دونون شعر جداگانہ حیثیت رکھتے ہین تاہم مرزا سوداؔ کا مضمون مبتذل ہے اور شیخ نے اپنی متانت و ثقاہت کو برقرار رکھا ہے

نکلا کسی ہی طرح نہ دل سے ترے غبار
سوداؔ اسے تو تو یار صدا شرمگین رہا — سوداؔ

ہرگز ہوا نہ کام مرا ایک دن تمام
مین نیم کشتۂ نگہ شرمگین رہا — مصحفیؔ

مرزا سوداؔ کا پہلا مصرعہ فصاحت سے بالکل بعید ہے "کسی ہی طرح سے" ان بارہائے فصاحت مین سے ہے جن کی بنا پر آزادؔ نے انکو "افصح البیان" کا تمغا عنایت کیا ہے۔ شیخ مصحفیؔ کے شعر کو دیکھئے ستارہ کے مقابلے مین آفتاب معلوم ہوتا ہے "نیم کشتۂ نگہ شرمگین" کی ترکیب کسقدر پاکیزہ واقع ہوئی ہے

اب کے بھی دن بہار کے یون ہی چلے گئے
پھر پھر گل آچکے پہ صنم تم بھلے گئے — سوداؔ

تم رات وعدہ کرکے جو ہمسے چلے گئے
پھر جب سے خواب مین بھی نہ آئے بھلے گئے — مصحفیؔ

اے شمع دل گداز کسی کا نہ ہو کہ شب
پروانہ داغ تجھسے ہوا ہم جلے گئے — سوداؔ

آتش مین عشق و شوق کی مانند چوب خشک
جب تک کسی نے ہم کو جلایا جلے گئے — مصحفیؔ

منہ میں خدا نے دی ہے زبان بات کیلئے	محرم ہون مین تو کہہ دو مکافات کے لئے	سودا
ہم یان تڑپ کے رہ گئے اک بات کیلئے	تم وان گئے کسی کی ملاقات کے لئے	مصحفی

غالبًا یہ چند مثالین اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہین کہ شکوہ الفاظ، بلندی خیال، چستی ترکیب وغیرہ جملہ اوصاف عالیہ مین شیخ مصحفی مرزا سودا سے کسی طرح کم نہین ہین۔ اور میر و مرزا دونون باکمال استادون کے اوصاف کمال کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے اُنھون نے

حسد کی جا نہین اے مصحفی کلام اُن کا
کہ اپنے عہد کے مرزا و میر ہم بھی ہین

کہدیا تو کوئی مبالغہ نہین کیا بلکہ امر واقعہ کا اظہار تھا۔

افسر امروہوی

کرشمہ بہار — حیرت انگیز معجزہ

کایا پلٹ ہیر آیل

کہنے کو صرف تیل ہے لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے اکسیر کو بھی مات کرتا ہے۔ یہ تیل نہایت قیمتی و نادر الوجود نباتاتی و کیمیاوی اجزا سے جدید اصول پر طیار کیا گیا ہے جسکی تصدیق بڑے بڑے سائنس دانون نے کی ہے اسکے فوائد کی تفصیل مختصر اشتہار مین نا ممکن ہے مختصرًا یون سمجھ لیجئے کہ گھر مین اسکی ایک شیشی رکھنا گویا بہت سے امراض کو دفع کر دینا ہے۔

اگر :۔ سر یا چند یا کے بال گر گئے ہین یا گر رہے ہین۔ یا بالخورہ اور گنج ہو گیا ہے۔

اگر :۔ نزلہ درد سر یا شقیقہ، دوران سر، ضعف دماغ و ضعف بصر، بے خوابی یا نسیان کی شکایت ہے۔

اگر :۔ سر اور جسم کی پھوڑیان، پھنسیان، گرمی دانے، خارش یا دیگر امراض جلدی کا دفع کرنا مقصود ہے

اگر :۔ کنٹھ مالا، سِل اور دق وغیرہ سے محفوظ رہنا ہے۔

تو ——— ان سب کا واحد علاج کایا پلٹ ہیر آیل ہے

جو نہ صرف خوشبو بلکہ اپنی مقدار و وزن کے لحاظ سے بھی بازار کے تمام خوشبودار تیلون سے اچھا اور ارزان ہے ڈاکٹر شیخ بہادر لکھنؤ سے اپنی تحریر مین تصدیق فرماتے ہین کہ اس تیل کے فوائد اشتہار کے مطابق پائے گئے ہین اور مرزا جعفر علی خان صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر رائے بریلی نے دوامی آرڈر ہر ماہ ایک شیشی کا دیدیا ہے۔

مولانا نیاز فرماتے ہین کہ بیگم نیاز کے تمام گرے ہوئے بال از سر نو پیدا ہو رہے ہین اور بہت گھنے

جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ضروری ہے۔

قیمت مع محصول .... (ایک روپیہ)

منیجر کایا پلٹ ہیر آیل لکھنؤ

چند دن لکھنؤ سے باہر

میرا لکھنؤ سے باہر جانا گویا ” ہفتخوان “ طے کرنا ہے ۔ وہی عزم و اہتمام ، وہی نشر و اعلان اور وہی ” رستمانہ “ جرات و بسالت کا اظہار ——— لیکن فرق یہ ہے کہ اُس کو ” فردوسی “ ایسا شاعر مل گیا تھا اور مجھے یہ خدمت خود انجام دینا پڑتی ہے ——— اور وہ بھی بلا لغہ ! کتنا تفاوت ہے !! سفر ” وسیلۂ ظفر “ ہو یا نہ ہو ، لیکن اس کا ” مشق نظر “ ہونا یقینی ہے اور میرا دل اسدرجہ ” لبریز بصیرت “ ہے کہ ” بصارت “ سے بھی کوئی خلاف معمول کام لینا مجھے مشوش کر دیتا ہے ——— پھر اسی کے ساتھ ایک اہم سوال ” سیاسیات خانگی “ کا ہمیشہ یہ بھی پیش آجاتا ہے کہ ادھر مین نے کہین جانے کا ارادہ کیا اور اُدھر ایک فیصلہ کن انداز سے بیگم بولین کہ ” مین بھی چلونگی ۔ کوئی وجہ نہین کہ مرد جہان چاہے آزادی سے سیر کرتے پھرین اور عورتین ایک ہی قسم کی صبح و شام بسر کرنے پر مجبور رہوین “ ——— ممکن ہے وہ یہ صرف تفریحاً و مزاحاً کہتی ہون ، لیکن انکا لب و لہجہ اسقدر سنجیدہ ہوتا ہے کہ مجھے بالکل ” باب الاستفسار “ کی طرح اسپر غور کرنا پڑتا ہے ۔ اس مرتبہ بھی یہی ہوا اور مین نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ ” بیشک عورت آزاد ہے اور آپ آزادی کے ساتھ جہان جی مین آئے جا سکتی ہین ، لیکن میرے ساتھ چلنے مین آپ کو پھر وہی پابندی رہیگی اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے ساتھ نہ چلئے بلکہ اگر مین مغرب کی طرف پشاور جاتا ہون تو آپ مشرق کی جانب کلکتہ جائیے ، اگر قسمت مین پھر ملاقات لکھی ہے تو ہو ہی جائے گی ورنہ خیر ، اللہ مالک ہے ۔ مگر ہان دیکھئے اپنا پتہ ضرور لکھئے گا تاکہ کبھی کبھی خط و کتابت تو ہو سکے “ یہ سنکر وہ چین پیشانی سے برہمی کا اظہار کرتی ہوئی چلدین لیکن دوبارہ کچھ سوچکر اس طرح بھری ہوئی آئین گویا کوئی خاص کامیاب صورت انتقام کی ذہن مین آئی ہے بولین ” یہ آپ پانچ دن کے لئے گھر کا سارا سامان تو ساتھ لئے جاتے ہین ، لیکن یہ یاد رہے کہ ایک ایک چیز میری نگاہ مین ہے ۔ اُس مرتبہ رُدولی گئے تو اونی ٹوپی جس کو میتے تین دن کی محنت سے ڈہائی روپیہ کا اون صرف کر کے بنا تھا ، خدا معلوم قوال کو دے آئے یا کیا کی ، اس مرتبہ یہ سب گرم کپڑے کھو کر آنا ۔ مین کہتی ہون کہ یہ گھر سے باہر نکلنے کے بعد مرد اپنے آپ مین کیون نہین رہتا ——— بیوی گویا عذاب ہے جس سے چھٹنے کی خوشی مین سر و پا کا ہوش نہین رہتا ——— کچھ سُنا آپ نے “ ——— مین نے عرض کیا کہ ” اسی لئے تو مین کبھی آپ کو اپنے ساتھ نہین لیجاتا کہ نسیان غالب ہے ، چیزین ہمیشہ بھول جاتا ہون ، اگر خدا نخواستہ آپ کو کھو بیٹھا تو پھر کیا ہوگا ——— “ الغرض سفر سے ایک ہفتہ قبل ” ذکر سفر “ کے سلسلہ مین اس نوع کا مکالمہ بھی کبھی کبھی ضرور ہو جاتا تھا

۱۶ دسمبر سے غالباً دس دن قبل اس ” سفر “ کے آثار اول اول مولوی غلام ربانی عزیز بی اے کمبلپوری کی ایک تحریر سے پیدا ہوئے جس مین انھون نے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا تھا اور جس کی تعبیر ناممکن تھی جب تک مین وہان نہ پہونچ جاتا اس سلسلہ مین یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ مولوی عزیز میرے اور نگار کے اُن چند مخلصین مین سے ہین کہ اگر ان حضرات کا

وجود نہ ہوتا تو میرے دل کی "سرشاریان" اور نگار کی "پرُکاریان"، شاید اس حد تک نہ پہونچ سکتین — ۱۹۲۹ء کے آخری دن، کام کا ہجوم، نئے سال کی طیاریان، جنوری کے "عظیم الحجم" رسالہ کی ترتیب و طباعت، پریس، دارالاشاعت اور نگار کے سالانہ حساب کی تنقیح، آیندہ لائحۂ عمل کی تعیین و تشکیل، رسالۂ جن کی ترتیب و توسیع اشاعت کی فکر اور پھر ان سب پر طرہ زمہریری سردی — کبھی کبھی سوچتا تھا کہ اس زمانہ مین، پشاور کی طرف کا عزم کہین ایسا تو نہین کہ میری مٹی کھینچے لئے جا رہی ہو بہر حال منیجر نگار کو تمام کاروبار تفویض کر کے اور ایام غیر حاضری کا پورا پروگرام اس طرح طیار کر کے گویا کہ وہ کوئی "وصیت نامہ" تھا، مین ۱۶ر دسمبر کی رات مین ٹھیک ۹ بجے گھر سے روانہ ہو گیا۔

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرساہا

سفر کی کئی قسمین ہین، ایک سفر تو وہ "بیک بینی و دو گوش" والا سفر ہے جو آدم کو جنت سے کرنا پڑا تھا اور جسے "دے بر اندش" بھی کہتے ہین، دوسری قسم سفر کی وہ ہے جو نپولین، ہنی بال، سکندر، چنگیز اور ہلاکو کیا کرتے تھے اور جسے "زلزلۃ فی الارض" کہنا زیادہ موزون ہے، تیسری صورت سفر کی وہ ہے جو ابراہیم ادہم اور بودھ نے اختیار کیا تھا کہ اس سے مقصود "نفس کشی" یا "اصلاح نوع انسانی" تھا، چوتھی صورت سفر کی وہ ہے جو کاروباری ایجنٹ یا تاجر کرتے ہین، پانچوین صورت اس جہان گردی کی ہے جو فسیروا فی الارض کے ماتحت آجکل امریکہ کے دولتمند لوگ کیا کرتے ہین، چھٹی قسم وہ ہے جسے "یارے برخوردار وصل یارے" کہتے ہین، ساتوین وہ "مفقود" قسم سفر کی ہے جو فرہاد و مجنون کو کرنا پڑتا تھا۔ "مفقود" اس لئے کہ اب "نہ وہ عشق مین رہین گرمیان، نہ وہ حسن مین رہین سردیان" — ایک، آخری قسم سفر کی اور ہے جسے "سفر آخرت" کہتے ہین اور جسکی تفسیر و تشریح رسالۂ جن" مین ہوا کرتی ہے — لیکن یہ سفر ان تمام قسمون سے الگ قسم کا تھا یعنی اگر وہ "دنیادارانہ" و "اخلاقانہ" نہین تھا تو اس مین شک نہین کہ جون جون مین آگے بڑھتا جا رہا تھا شدت برودت سے اس مین "جانبازانہ" کیفیت ضرور پیدا ہوتی جا رہی تھی

۱۷ر کی صبح کو جب آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ ٹرین سہارنپور اسٹیشن پر کھڑی ہے جو یوپی کے حصۂ "مستدا باد" کا صدر مقام ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے عازمان پنجاب کو وہان کے لب و لہجہ سے آشنا کرنے مین کافی مدد پہونچاتا ہے۔ ٹرین مین بیٹھے رہنے کا جہانتک تعلق ہے یہ سفر نہایت ہی خشک (Barren) ثابت ہوا اس لئے مین جزئیات سفر سے بحث نہ کرونگا، مختصراً یون سمجھ لیجئے کہ دن بھر لحاف کے اندر نہایت آرام سے لیٹا رہا اور کھڑکیان بند کئے ہوئے پان کھاتا رہا یا کتاب پڑھتا رہا۔ چونکہ آجکل "جن" کا بھوت سر پر سوار ہے اس لئے کتاب بھی ٹونس براؤنے کی (Towards the Stars) تھی۔ شام کو جب لاہور اسٹیشن پر اختر شیرانی، رفیعی اجمیری اور غلام رسول مہر سے ملاقات ہوئی تو "یارائے گفتگو" بھی عود کر آیا ورنہ گزشتہ ۲۲ گھنٹے کے دوران مین ایک بار بھی لبون کو جنبش دینے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔

اختر راجپوتانہ کے ایک قصبۂ شیران کے رہنے والے ہین۔ چونکہ ہندوستان مین راجپوتانہ ہی وہ حصہ ہے جو

عرب کی عشق خیز سرزمین - نجد و تہامہ - کے جواب مین پیش کیا جا سکتا ہے، اس لئے ناظرین نگار کو حیرت نہ کرنا چاہئے اگر قیس عامری کی لیلیٰ کی طرح انھون نے بھی ایک سلمیٰ پیدا کر لی ہے اور اگر حقیقت کو مستور رکھا جائے تو بھی یہ حقیقت اُن کی شاعری سے ظاہر ہے کہ جس طرح سرزمین نجد نے ایک بڑا عظیم الشان عاشق مہجور (قیس) پیدا کیا، اسی طرح راجپوتانہ کی بے آب و گیاہ فضا نے بھی ایک زبردست محروم وصال غرامی (اختر) کو پیش کیا - اب یہ اور بات ہے کہ لیلیٰ مجنون کی حکایت سے ساری دنیا واقف ہو گئی اور اختر و سلمیٰ کی دردمندیان فسانہ نہ بن سکین -

نہ دنیا مین ہوا مشہور، ورنہ اک فسانہ تھا
مرے دل کا ہلاک جلوۂ مستور ہو جاتا

اس مین شک نہین کہ اختر اُن نوجوانون مین سے ہین جنھین طفل برباد (spoiled child) کہتے ہین لیکن یہ کم لوگون کو معلوم ہے کہ بعض ہستیان سنورتی ہی ہین برباد ہونے کے بعد اور زمانہ انھین بگاڑ رہا ہے بنانے کے لئے - اختر کی شاعرانہ افتاد مزاج، انکا والہانہ رنگ طبیعت، انکی وارستہ مزاجی، وارفتہ طبعی، اور ہر وہ ادا جو ایک ذہانت نبوغ، فطانت ادب، احساس شعر، اور اعتراف جمال کے ذوق کے ساتھ ساتھ نشو و نما پا کر صحیح معنی مین جوانی کے مفہوم کو متعین کرتی ہے "ایک شخص کو بہ اول نظر پوری طرح فریب مین مبتلا کر دینے والی ہے، لیکن جیسا کہ میرا تجربہ ہے، ایسی ہستیون کا غایر مطالعہ ہمیشہ ایک سخت ٹریجڈی ثابت ہوتا ہے اور بہت سے وہ چہرے جو بظاہر متبسم معلوم ہوتے ہین، حقیقتاً اشک سے داغدار ہوتے ہین، اختر بظاہر نوجوان ہین، نشاط کا موسم رکھتے ہین مرادون کے دن کے مالک ہین، لیکن مین دیکھتا ہون کہ یہ غریب اپنے آلام روحانی کی چھپانے کے لئے "یک گونہ بیخودی" قایم رکھنے پر بھی پوری طرح قادر نہین ہے - ممکن ہے اختر کی شاعری مین لوگون کو کیف نشاط نظر آتا ہو، لیکن میرے نزدیک وہ سخت المناک ہے - افسوس ہے کہ وہ لوگ جنکی زندگی "شاہد و شعر ست و شراب و شکر" کے ماحول مین بسر ہونی چاہئے ان پر "فریاد ز بیچارگی و خستہ درونی" کا ماتم کرنا پڑتا ہے - اور یہی وجہ ہے کہ اختر شیرانی کی نظم و نثر نے اُن کی تشویش ذہنی کی وجہ سے ابھی تک اُس رنگ کو اختیار نہین کیا جو سکون دماغ کا نتیجہ ہوا کرتا ہے میرے سامنے انکا ادبی مستقبل بہت گرانمایہ ہے، جس کو "شانِ ماضی" سے کوئی واسطہ نہ ہوگا

رفیعی اجمیری (جن کے نام کو مین آجتک صحیح طور پر انگریزی مین نہین لکھ سکا) سرزمین راجپوتانہ کی زیارتگاہ عام (عوام؟) کی پیداوار ہین جسے لوگ اجمیر شریف کہتے ہین - اس سے قبل مین نے ان کو بھوپال مین اس وقت دیکھا تھا جب یہ باندازۂ شش سال زیادہ بچے تھے - مین نے بچہ اس لئے کہا کہ اب بھی باوجود "مرد بست و چہار سال" ہونے کے "دران دیار کہ زادی ہنوز آنجائی" کا رنگ ان پر غالب ہے - ان کے افسانہائے شباب سے مجھے آگاہی نہین ہے، لیکن ان کی فطری شرافت نفس اور اُس حریری جانماز اور ریشمی قسم کی تسبیح کو دیکھتے ہوئے (جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتی ہے اور جنکی بر بنائے "اجمیریت" کبھی کبھی نمایش بھی ہو جاتی ہے) کہا جا سکتا ہے کہ ابھی تک ٹکی کارگاہ نشاط "چند تصویر بتان، چند حسینونکے خطوط"

سے آگے نہیں بڑھی، ہرچند زیبایش و آرایش کا اہتمام، "دعوت برگ و نوا" اور "نوید حُسن مدعا" ضرور ہے۔

حضرت رفیعی اجمیر کے ایک ایسے معزز و بارسوخ خاندان سے متعلق ہیں جس کے افرادِ قدیم کی داستان تاریخ ہند میں "زکاشی تا بہ کاشان نیم گام ست" کی داستان ہے، لیکن یہ خود اُس کے دورِ انحطاط کی یادگار ہیں اور اس لئے بجائے سیف کے صرف قلم کے مالک ہیں

افسوس ہے کہ افکار زمانہ اور ان کی لا اُبالی فطرت نے اس کا موقعہ نہیں دیا کہ اُن کے "قوائے کامنہ" بروئے کار آجاتے، ورنہ فطرت نے اُن کے دماغ میں "صلاح" کی وہی اہلیت پیدا کی تھی جو "فساد" کی ابلیس کے دماغ میں لیکن فرق یہ ہے کہ وہ کامیاب ہو گیا اور یہ ناکام ہیں۔ ان کی طبیعت کا جوہر ابداع، ان کے دماغ کا ذوق اختراع ان کے ذہن کی رسائی، ان کے فکر کی جدت وندرت اور سب سے زیادہ ان کی قوت حافظہ، فطرت کی وہ ودیعتیں ہیں، جن میں سے ہر ایک مستقل دولت ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ دولت مند انسان، یہ اپنے وقت کا "ادبی قارون" بہت کم ان عطیات قدرت سے کام لیتا ہے۔ نظم و نثر دونوں خوب لکھتے ہیں، انگریزی فارسی دونوں زبانوں میں اچھی دستگاہ حاصل ہے، لیکن جب دیکھئے چاء، چاء! صبح چاء، شام چاء، رات چاء، دن چاء —— چاء نہ ہوئی، "وحدت الوجود" ہو کے رہگئی کہ سوائے "من ندارم توئی" کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا

لیکن باوجود ان تمام خوبیوں کے اختر رفیعی کے ایک عیب اور بدترین عیب کو بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں (خفا ہوں تو ہوں) کہ جب شام کو لاہور اسٹیشن سے انکا کوئی دوست گزرتا ہے تو اُس کی تواضع وہ صرف بازار کی معمولی پوریوں ہی سے کرتے ہیں —— اور اس کو اپنی زندگی کا بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں۔

ان کے ساتھ مولانا غلام رسول مہر بھی تھے جن کے شناسائی کا فخر مجھے اس سے قبل حاصل نہیں ہوا تھا۔ آدمی نہایت ہی سنجیدہ اور متواضع ہیں لیکن خطرناک حد تک خاموش

---

۱۸ دسمبر کی صبح آٹھ بجے آنکھ کھلی تو دفعۃً ٹکسیلا اسٹیشن نظر آیا اور فانوس خیال کی ایک سُبک مگر سریع گردش کی طرح تمام وہ منقوشات میرے سامنے آگئے جو اس مقام کی تاریخی اہمیت کے متعلق میرے دماغ میں منقوش تھے

سب سے پہلے وہ عہد میرے سامنے آیا جب آریہ قوم کے اولوالعزم نوجوانوں کی جماعت وسط ایشیا سے چلکر یہاں پہونچی ہو گی اور اس نے دریائے ہیرو (Haro) سے شاداب رہنے والی سرسبز وادی کو (جو عبارت ہے سرزمین ٹکسیلا سے) اپنے قیام کے لئے منتخب کیا ہوگا اس کے بعد تمدن قدیم کے اُس دورِ زرین کا منظر سامنے آیا جب یہاں ایک نہایت وسیع و آباد شہر قایم تھا اور وادی گنگ کے جاتریوں، وسطِ ایشیا کے تاجروں، یونان کے سوداگروں اور ایرانی عمال کا باہم کھوے سے کھوا یہاں چھلتا تھا۔ اسی کے ساتھ مجھے ۳۲۶ سال قبل مسیح کا وہ زمانہ یاد آیا جب راجہ ٹکسیلا نے اپنے دوسرے ہمعصر راجہ کی بڑھتی ہوئی قوت

قیام لاہور کا ایک دن (۲۰ دسمبر سنہ ۱۹۲۹ع)

رفیعی اجمیری ? اختر شیرانی

سے برہم ہوکر (جو دریائے جہلم کے مقابل ساحل پر حکمران تھا) مقدونیہ کے فاتح اعظم، اسکندر کو حملہ کی دعوت دی اور یہ اپنے چمکیلے خود (Helmet) وسیع ڈھال اور لانبے نیزے رکھنے والی فوج کے ساتھ یہان داخل ہوا۔ اس وقت سرزمین ٹکسیلا یونانی سپاہ کے فنون حرب کی نمایش اور قربانیون کے لئے وقف تھی یا ان مہیب مہمانون کے خاطر مدارات مین محافل عیش و نشاط کے لئے مخصوص اسکندر اعظم ٹکسیلا کے بازار مین دربار منعقد کرتا ہے اور سپاہ کو حکم دیتا ہے کہ اپنے گھوڑے دریائے جہلم مین ڈالدے۔ پاروا خاندان کا شاہزادہ عفریت پیکر ہاتھیون کی فوج لیکر مقابلہ مین آتا ہے لیکن سکندر کی فوج کے سوار اپنے آتشین تیرون سے اس دیوار کو چھلنی کر دیتے ہین اور راجہ گرفتار ہوکر سامنے آتا ہے اسکندر دریافت کرتا ہے کہ "تم کس سلوک کے متوقع ہو" اس نے جواب دیا کہ "مین شاہانہ سلوک چاہتا ہون"۔ یہ مغلوب راجہ تاریخ ہند مین راجہ پورس کے نام سے مشہور ہے اور یہ جنگ جو سرزمین ہند کی نہایت مہتم بالشان جنگ سمجھی جاتی ہے اسی ٹکسیلا کے وجہ سے عمل مین آئی۔ اس کے بعد جب سکندر فاتحانہ علم اڑاتا ہوا، بابل مین پہونچتا ہے اور وہان مسموم تپ مین مبتلا ہوکر مرجاتا ہے تو اس کے مشرقی فتوحات پر چندر گپت حملہ آور ہوتا ہے اور یونانی سپاہ کو ٹکسیلا سے نکال کر اُسے اپنی سلطنت کا ایک صوبہ قرار دے لیتا ہے۔ اس کے بعد جب اشوک یہان کا صوبہ دار بنکر آتا ہے تو بودھ کی تعلیمات رائج ہوتی ہین اور بودھ کا وہ معجزہ ظاہر ہوتا ہے جس کی یادگار مین کنال توپ قایم کیا گیا تھا۔ کنال، راجہ اشوک کا لڑکا تھا جس سے اس کی سوتیلی ماں کو عشق ہو گیا تھا۔ لیکن جب اس نے اس ناپاک و شرمناک محبت کو ٹھکرا دیا تو اس عورت نے انتقام لینے کے لئے راجہ اشوک کے سامنے اس کو متہم کیا اور اس جرم مین باپ نے بیٹے کی آنکھین نکلوا کر ملک بدر کرا دیا۔ جب ایک زمانہ گزرنے کے بعد راجہ اشوک نے ایک اندھے بھکاری کو صرف اس کی بانسری سنکر یہ معلوم کیا کہ وہ اس کا وہی مظلوم بیٹا ہے تو بودھ کی دعا سے پھر اسکی بصارت عود کر آئی اور اسی وقت یہ توپ قایم کیا گیا جسے ۱۳سو سال قبل مشہور چینی سیاح ہیان ٹسانگ نے شہر سرکاپ کے کنارے ایک پہاڑ پر دیکھا تھا

اس کے بعد پھر حالت بدلتی ہے اور شمال مغرب کی طرف سے حملہ کرنے والے پھر موریا خاندان کی حکومت کو یہان قایم کر دیتے ہین یہ حملہ کرنے والے بلخ کے اُن مستعمرات سے متعلق تھے جو عہد سکندر مین قایم ہوئی تھین اور جن کو شمال سے آنے والی قومون نے بھگا کر پنجاب کے شمال تک پہونچا دیا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب بودھ کی ضمیات کا یونانی آرٹ سے امتزاج ہوا اور گندھرا اسکول بُت تراشی کا پیدا ہوا جس کے نمونے لاہور، ٹکسیلا اور پشاور کے حفریات (Excavations) مین بکثرت دستیاب ہو رہے ہین۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ جوار عرصہ تک مذہبی زیارتگاہ بنا رہا جہان تمام اکناف ہند اور سرزمین چین سے جاتری اور سیاح آتے تھے اور اپنے پیغمبر (بودھ) کی یادگارون سے دل و دماغ کو سکون پہونچاتے تھے۔

اس کے بعد اس سرزمین کی ترقی کی عمر ختم ہونے کو آئی تو سفید فام ہن (Huns) اپنی تمام بربادیون، غارتگریون اور مسماریون کے ساتھ آئے اور آخرکار ٹکسیلا کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اس کو صرف ایک تودۂ خاک مین منتقل کر دیا جو ابتک اسی حالت مین ہے اور غالباً رہیگا

میں دیر تک انقلاب زمانہ اور دہر کی بوقلمونی کے ان حسرت انگیز مناظر پر غور کرتا رہا اور گھنٹوں سوچتا رہا کہ جس مقام پر اس وقت میں ہوں، ممکن ہے کسی زمانہ میں سکندر اسی طرف سے گزرا ہو، یہیں اس کی فوج نے قیام کیا ہو، اسی مقام پر بودھ نے رات بسر کی ہو اور یہیں اس کے بہت سے پوجاریوں نے اپنی نغمہ ہائے عبودیت فضا میں بلند کئے ہوں۔ جب ساڑھے دس بجے ریل کمبلپور پہونچی تو میں چونکا اور اُن خلوص پرور آغوشوں میں پہونچکر (جن کے لئے انسانی روح ہمیشہ تڑپتی رہی ہے اور تڑپتی رہیگی) یہ سب کچھ بھولکر اُس عالم میں پہونچ گیا جس کے تاثرات و کیفیات کچھ اور تھے۔ فضا ابر آلود تھی اور خنکی کی شدت تاب گسل، جب یکسر پیکر صدق و صفا (مولوی غلام ربانی عزیز) اور مجسمۂ لطف و کرم (مولوی غلام جیلانی برق) کی گرمجوشیوں سے دوچار ہوا

کمبلپور پنجاب کا ایک چھوٹا سا ضلع ہے جہاں سے صوبۂ سرحدی کے خطوط شروع ہوتے ہیں۔ یہ مقام بھی "زائیدۂ برطانیہ" ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اور کوئی تاریخی اہمیت نہیں رکھتا، لیکن اپنی جائے وقوع، دلکش ماحول، اور صحت بخش آب و ہوا کے لحاظ سے یقیناً اس قابل ہے کہ اگر "غم روزگار" فرصت دے تو سال میں چند ہفتے "سردرد آمود" کے سکون کے لئے یہاں بسر کرے۔ ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں کا دلکش نظارہ، سرسبز وادی کے فرح بخش نشیب و فراز، حد نظر اور حد بصر تک سکون پرور فضا، یہ ہیں وہ خصوصیات اس جوار کی جن کی زیارت کا یہ سب سے پہلا موقعہ تھا۔ سو وقت میں لکھنؤ اور اس کے ماحول سے سیکڑوں میل دور تھا اور میرے لئے یہاں کی آبادی، یہاں کے انسان یہاں کے آسمان و زمین الغرض یہاں کی ہر ہر چیز بالکل نئی تھی لیکن چونکہ تھا اُس مجمع میں جس کے چہروں سے خلوص و صداقت ٹپک رہی تھی، جو والہانہ انداز سے مجھ ایسے ناکارہ انسان کی پذیرائی میں مصروف تھے، اس لئے میں ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے رُوح اپنے "حیز اصلی" تک پہونچگئی ہے اور میں اسلام کی موعودہ بہشت کی معصوم و پاک فضا میں آگیا ہوں

مولوی غلام ربانی عزیز بی اے۔ مولوی غلام جیلانی برق بی اے، یہاں نارمل اسکول میں مُعلّم بھی ہیں اور دار الاقامہ کے ناظم بھی، اُردو کی تعلیم اور طلبہ کی دماغی تربیت انھیں حضرات کے سپرد ہے اور مجھے یہ دیکھ کر کسقدر مسرت ہوئی کہ اس خدمت کے لئے حقیقتاً کسقدر موزوں و مناسب ہستیوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اہل پنجاب کے متعلق میرے تجربات جو کچھ بھی ہوں، لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جب تک ترقی تمدن کی خرابیاں اس قوم میں پیدا نہ ہوں یہ قوم اسقدر معصوم، نیک اور سادہ دل ہے کہ ایک شخص نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ ان پر اعتماد کر سکتا ہے۔ جوش و ولولہ، عزم و ارادہ، محنت و جفاکشی اس جماعت کی خصوصیت خاصہ ہے جس نے ان کو "زندہ دل" خطاب کا مستحق بنا دیا ہے، لیکن جس حد تک جمالیاتی تخلیق دماغ کا تعلق ہے، اِن کی فطرت بجائے لچیلی (Elastic) ہونے کے زیادہ ترخستہ ([illegible]) نظر آتی ہے۔ آپ جب تک آرٹ کے لطیف پہلو سے صرف لطف اُٹھا رہے ہیں پنجابی بہت دلچسپ جلیس ہے لیکن جہاں آپنے

آرٹ کے نقوش جمال سے بحث کرکے اُس کی فطرت کو لچک دینا چاہی اور وہ وہین سے ٹوٹی۔ ایک پنجابی بہترین عامل ہے لیکن مفکر نہین کام کرنے کے لئے اس کی آستینین ہر وقت چڑھی ہوئی ہین، لیکن فکر ورائے کا سوال آیا اور اُسپر تحیر طاری ہوا، وہ سادہ ہین لیکن "پُر کار" نہین، وہ ذہین اکثر ہین لیکن "نابغہ" کمتر، وہ ذرا سی بات مین ممنون ہو جانے والی اور بہت کچھ کرکے بھی دوسرون کو ممنون بنانے سے سیر نہ ہونے والی فطرت رکھتے ہین۔ اُن کی مہمان نوازیان تقاضائے تمدن نہین بلکہ تقاضائے فطرت کی بنا پر ہوتی ہین اور وہ نہایت آسانی سے اپنا دل کھولکر سامنے رکھدیتے ہین

مین نارمل اسکول کے دار الاقامہ مین مقیم تھا جہان ایک سو سے زاید معلم طالب علم رہتے ہین اور اس لئے ہر وقت ان کے جذبۂ ایثار رکھنے والے قلوب کے اثرات سے متاثر رہتا تھا۔ میرے ساتھ ان لوگون کی شیفتگی کا بڑا سبب مولانا عزیز کی عنایت ہے جنھون نے نگار اور میرے تصنیفات کو ان لوگون کی تعلیم کا جزو لازم قرار دیدیا ہے۔ مولانا عزیز نے پہلے ہی مجھے ذریعۂ تار اطلاع دیدی تھی کہ مجھے ایک لکچر بھی دینا پڑیگا اور مین نے تار ہی سے جواب دیدیا تھا کہ اس کا انتظام نہ کیجئے۔ لیکن یہان ہونچکر پھر وہی تقاضہ شروع ہوا اور باوصف اس کے کہ یہان کی سردی نے مجھے یکسر "جمود دا نجماد" بنا دیا تھا، بند ہال کے اندر دہکتی ہوئی انگیٹھی کے سامنے مجھے "بپاس خاطر آن عزیز" یہ حرکت بھی کرنا پڑی۔ موضوع گفتگو نظیری کا یہ شعر تھا:۔

درس ادب اگر بود زمزمۂ محبتے

جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را

اور کسے خبر ہے کہ کتنی "سخنہائے ناگفتنی" میری زبان سے نکل گئین۔ میرا قیام یہان دو دن اور ایک شب رہا، لیکن یہ میرا دل جانتا ہے کہ اس ۳۶ گھنٹے کی قلیل فرصت مین کیسا "امتنانِ کہن سال" لیکر وہان سے آیا اور وہان کا ایک ایک لمحہ کیسا وسیع دفتر اخلاق وانسانیت تھا۔ مین اُن مادی مدارات کا ذکر مناسب نہین سمجھتا جو ان حضرات نے صرف فرمائین، لیکن ۸ ار کے شام کی وہ صحبت ضیافت جس مین میان احسان الحق صاحب ڈسٹرکٹ جج کی پُر لطف معیت نے ایک عجیب قسم کی زندگی پیدا کردی تھی، ضرور قابل ذکر ہے۔ میان صاحب موصوف علیگڈھ کے تعلیم یافتہ ہین اور اُردو ادب کا نہایت صحیح ذوق رکھتے ہین۔ اُردو اسقدر صاف وصحیح لب ولہجہ مین بولتے ہین کہ مین کبھی کیمبلپور مین کسی ایسے انسان کے وجود کا یقین نہین کرسکتا تھا۔ ان کے بعض لطائف ادب مجھے ہمیشہ یاد رہین گے۔ نارمل اسکول کے پرنسپل اور دار الاقامہ کے ناظم اعلیٰ (جو ولایت کے گریجویٹ ہین) کا بھی ممنون ہون کہ باوجود (Religious ?) سخت قسم کے پنجابی ہونے کے انھون نے محض میری خاطر سے میرے دو بانون کا خون کرنا گوارا کیا، حالانکہ ان مین سے ایک اُسی شب دماغ کی طرف صعود ریاح کی وجہ سے بیمار بھی ہوگئے۔ میرا جی چاہتا تھا (اور نہین کہسکتا کیون؟) کہ کم از کم چند دن اور یہان بسر کرون لیکن جب کام کی مصروفیت کا خیال آیا تو آخر کار "رختِ سفر" باندھنا ہی پڑا، لیکن یہ وعدہ کرآیا ہون کہ فروری یا مارچ مین معہ متعلقین کے تبدیل آب وہوا کیلئے آؤنگا اور اس وقت تک اس وعدہ کی پابندی کا عزم دل مین رکھتا ہون

۱۹ رکی صبح کو لاہور پہونچا تو یہ تمام نقوش لطیف یہان کے موسم کو دیکھ کر محو ہو گئے۔ بارش کے سبب سے سردی بہت بڑھ گئی تھی اور سڑکون کی گندگی و عفونت کو دیکھ کر حیران تھا کہ جب پنجاب کے صدر مقام کا یہ حال ہے تو دوسرے مقامات کی حکومت بلدیہ (میونسپلٹی) کی کیا حالت ہو گی۔ حیران ہون کہ یہ سوراج کے طالب کس قابلیت نظم پر اتنا بڑا مطالبہ کر رہے ہین۔ کامل دو گھنٹے اسی "پھیچھا لیدر" مین بسر کرنے کے بعد اختر و رفیعی کا مکان ملا اور اسٹیشن کی تیوریون کا پورا انتقام ان دونون حضرات سے لیا ۲۰ رکی صبح کو دھوپ نکلی تو باہر نکلا اور مال روڈ کا ایک پیادہ چکر لگا کر واپس آیا۔ مین غالباً اپنے اس جرم کو کبھی فراموش نہین کر سکتا کہ میان بشیر احمد صاحب سے ملنے کی تقدیم مین نے نہین کی، حالانکہ ان کے الطاف و عنایات کا مین حد درجہ گرانبار ہون

نیاز

عطر تیل عطر

ہر ماہ میں دس روپیہ کا عطر بطور تحفہ

اگر آپکو ایسے عطروں کی خواہش ہے۔ جو آپکے دماغ کو تر و تازہ کر دیں۔ اور جن کے لگانے سے آپکو یہ معلوم ہو۔ کہ آپ پھولونکی کیاریوں میں بیٹھے ہیں۔ تو ہمارے نئے طریق سے تیار کردہ عطروں کا استعمال کریں۔ جو میسور گورنمنٹ کے کارخانہ کے خالص صندل کے تیل میں تیار کئے جاتے ہیں۔ گو ہمارے پاس ہر قسم کے قیمتی سے قیمتی عطر موجود ہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل سستے عطرونکی نمونے کیلئے ہم سفارش کرتے ہیں۔

عطر چنبیلی۔ عطر گلاب۔ عطر سوسن۔ عطر عباسی۔ عطر تبریزی۔ عطر سنگترہ۔ عطر کرنا۔ عطر نرگس۔ عطر خس ہر ایک ۱۲؍ فی تولہ انکے علاوہ چنبیلی گلاب۔ سوسن۔ تبریزی۔ سنگترہ اور نرگس کے عطر تین پانچ۔ آٹھ روپیہ تولہ اور اس سے زیادہ قیمت کے مل سکتے ہیں) ہمنے فیصلہ کیا ہے کہ ہر ماہ میں قرعہ ڈالکر اپنے گاہکوں سے پہلے تین نمبروں پر رہنے والوں کو پانچ روپے تین روپے اور دو روپے کے عطر بطور تحفہ بھیجا کرینگے۔ اگر آپ مارچ کے انعام میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ تو فوراً اپنی درخواست بھیجدیں۔

ہمارا دلکش ہیر آئیل۔ بادام روغن۔ زیتون اور تلوں کے تیل سے مرکب مفید ادویہ سے تیار کردہ خوشبودار تیل فی سیر ۳؍ اور پاؤ بھر کی بوتل ۱۲؍ بالوں کیلئے بہترین تیل ہے۔ فوراً منگوا کر دیکھیں۔ درخواست دیتے وقت رسالہ کا حوالہ ضرور دیں

دلکشا پرفیومری کمپنی۔ قادیان: ضلع گورداسپور (پنجاب)

سیاح کی ڈائری کا تتمہ

لکھنؤ کا ایک مشاعرہ

(سیاح کے نمایندہ کے قلم سے)

لوکل سسرال کو اسی لئے تو ہم برا کہتے ہین کہ کسی بات کا کوئی تک ہی نہین جب انکا جی چاہا ڈولی منگا چلدین اور لطف یہ ہے کہ وہان جاکر اس اطمینان سے قیام فرماتی ہین گویا "بیرونجات" تشریف لے گئی ہین۔ حالانکہ چوک سے امین آباد کچھ دور نہین یعنی دونون ایک ہی لکھنؤ کے محلہ ہین جن کے درمیان بیشمار یکے دن رات چلا کرتے ہین مگر یہ ہمارا اصول ہے کہ ہم ذرا سسرال جاتے ہوئے شرماتے ہین اور اسکا احساس خود انکو بھی ہے لہذا وہ تشریف لیجانے کے بعد دوسرے تیسرے اپنی خیریت کا دستی خط بھیجتی رہتی ہین لیکن اس مین بھی لوکل ہونے کی وجہ سے بتنکاپن شامل حال رہتا ہے کوئی ٹھیک نہین خدا جانے کس وقت خط آجائے آج صبح سے انتظار کرتے رہے مگر خط غائب آخر ذرا کھڑے کھڑے ایک صاحب کی عیادت کے لئے چلے گئے وہان اتفاق سے ہو گیا تھا انکا انتقال لہذا قبرستان تک جانا پڑا واپسی مین لیٹر بکس سے منجملہ اور خطوط کے انکا خط بھی نکلا انکے خط کی خاص پہچان یہ ہے کہ اُسپر لوکل اور دستی ہونے کی وجہ سے مہر نہین ہوتی اور اسی لئے وہ ٹکٹ بھی نہین لگاتین یہ پہچان ایسی ہے کہ ہزار دو ہزار خطوط مین انکا خط پہچانا جاسکتا ہے۔ ہم نے سب سے پہلے ان ہی کا خط کھولا مگر وہ انکا نہ تھا بلکہ خط ہی نہ تھا کچھ اور تھا اسکی عبارت مطبوعہ بھی اور کچھ قلمی اس سے پہلے اس قسم کا کوئی خط ہم نے نہین دیکھا تھا۔ اب تو کھول ہی چکے تھے لہذا لگے ہاتھ پڑھ بھی ڈالا لکھا تھا:۔

بزم مشاعرہ

۱۵ نومبر سنہ ۱۹۲۹ء کو بوقت ۹ بجے شب بمقام منصور نگر بر مکان جھمن صاحب سوز خوان بزم مشاعرہ منعقد ہوگی ارباب ادب اور شعرا گرامی سے استدعا ہے کہ اپنی شرکت سے بزم سخن کو سرفراز فرمائین

نوٹ:۔ (۱) پابندئ وقت کا لحاظ لازمی ہے (۲) غیر مدعو حضرات نہایت اعزاز سے صفِ سامعین مین جگہ پائینگے (۳) گیارہ اشعار سے زیادہ پڑھنے کی زحمت نہ دی جائے گی۔

مصرع طرح:۔ منہ پھیر لیا ناز سے شرماکے کسی نے۔ قافیہ شرماکے۔ کھاکے، ردیف کسی نے

الملتمس:۔ سید تقی مرزا رخسار لکھنوی

یعنی یہ مشاعرہ کا کارڈ تھا، مشاعرہ کے متعلق ہمارے ایک دوست نے ایسے ایسے قصہ سنائے تھے کہ ہمکو خود مشاعرہ مین ایک مرتبہ

جانے کا شوق تھا ایک مرتبہ کا قصہ انھون نے بیان کیا تھا کہ کسی شاعر نے ایک مصرعہ پڑھا کہ "ناریل جس کے لگا ہاتھ وہ بندر"۔ ابھی وہ یہین تک کہنے پایا تھا کے تمام حاضرین چیخ اُٹھے "مین ہون - مین ہون"، مجھکو یہ قصہ سنکر بڑی ہنسی آئی اور اسی وقت سے میرا ارادہ تھا کہ ابکی کہین مشاعرہ ہو اور مین پہونچون کاش کے ہم اس کارڈ کے آنے سے پہلے ہی کسی مشاعرہ مین چلے گئے ہوتے تاکہ "غیر مدعو" ہونے کی صورت مین وہ نہایت اعزاز سے صف سامعین" مین جگہ تو پاتے اور اب یہ پس وپیش تھا کہ مدعو ہونے کی صورت مین خدا جانے کیا حشر ہو بہر حال اول تو شوق اتنا تھا کہ اعزاز اور تذلیل کا امتیاز باقی نہین رہا دوسرے وہ اپنے میکے گئی ہوئی تھیں اور رات اپنی تھی لہذا ارادہ کر لیا کہ جائینگے اور ضرور جائینگے، تمام دن مشاعرہ جانے کی تیاری مین گذرا بال بنوائے صابن سے نہائے۔ جوتے پر پالش کرائی نئے کپڑے اور نکاح والی شیروانی نکالی ٹوپی پر برش کیا موزے کی پھولدار جوڑی خرید لائے اور انکے بکس مین سے ایک ریشمی رومال سرکا دیا۔ ڈبیا مین الائچی ڈال کر پان بنوائے اور ٹھیک سات بجے بن سنور کر چھڑی ہلاتے گھر سے اس طرح نکلے کہ ع

شور ہر سمت ہوا مار چلا مار چلا

منصور نگر مین جھمن صاحب سوز خان کے مکان پر ایک مرتبہ محرم مین بھی آنے کا اتفاق ہوا تھا لہذا مکان کی جستجو ہمارے پروگرام مین شامل نہ تھی اور ہم سیدھے چوک ہوتے ہوئے مگر نظر نیچی کئے منصور نگر پہونچ گئے جہان گیس کی روشنی جھمن صاحب کے مکان کے بڑے پھاٹک پر لگی ہوئی تھی اور ہماری طرح لوگ آ آ کر اسی پھاٹک مین داخل ہو رہے تھے

ہم بھی اپنے مدعو ہونے کی صورت مین تذلیل کے خوف سے ڈرتے ڈرتے آنکھ بچا کر چپکے سے اندر چلے ہی گئے جہان ایک وسیع صحن مین کنارہ کی نالیون کو چھوڑ کر دریان، دریون پر چاندنیان اور اُنپر رنگ برنگ کے قالین بچھائے گئے تھے جا بجا اگالدان نہایت ادب سے بیٹھے ہوئے تھے اور حلم بردار حقے اٹینشن کھڑے تھے ایک کونہ مین صرف ایک شمعدان بھی رکھا تھا اور تھوڑی تھوڑی دور کے فاصلہ پر بھی رکھے گئے تھے حاضرین کا مجمع کافی تھا یعنی ایسا کہ ہم سب کے پیچھے نہایت آسانی سے چھپ سکتے تھے اس مجمع مین نوجوان۔ جوان۔ ادھیڑ اور بوڑھے سب ہی اقسام کے لوگ تھے مگر ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ عمر کے اعتبار سے سب علیحدہ علیحدہ بیٹھے تھے یعنی جوان سب ملکر ایک طرف تھے اور بوڑھے بوڑھے لوگ ایک جگہ جمع تھے لیکن نشست کچھ اس طرح تھی کے وسط مین ایک وسیع دائرہ چھوڑ کر چارون طرف حلقہ بنا کر لوگ بیٹھے تھے

یہ تھا وہ منظر جو مکان مین داخل ہوتے ہی نظر سے گذرا۔ ہماری طرح اور لوگ بھی تازہ وارد تھے مگر انکو قالینون پر جگہ مل رہی تھی اور نہایت اعزاز کے ساتھ شائد وہ غیر مدعو ہونگے لیکن ہم نے کسی کو اسکا موقع ہی نہ دیا کہ وہ ہمارے مدعو ہونے کا راز معلوم کرے ہم چپکے سے جوتے لئے ہوئے سب سے پچھلی قطار مین چلے گئے اور ایک جگہ خاموش بیٹھ رہے، اپنے بیٹھ جانے کی طرف سے اطمینان کرکے ہم پھر مجمع کی طرف متوجہ ہوئے۔ لوگ بیٹھے ہوئے آپس مین باتین کر رہے تھے اور آنے والے آ آ کر بیٹھتے جاتے تھے لیکن ہر نئے آنے والے کے ساتھ ایک "بسم اللہ" کا طوفان آتا تھا کچھ لوگ صرف منہ سے بسم اللہ کہدیتے تھے کچھ تھوڑا اُٹھ کر منہ سے بسم اللہ اور ہاتھ کی جنبش سے تسلیم کرتے اور کچھ نصف کے قریب اُٹھکر بھی حرکت کرتے تھے اور آنے والا "آداب بجا لاتا ہون، تسلیمات عرض کرتا ہون" کہتا ہوا ایک جگہ بیٹھ جاتا تھا

اسکے بیٹھنے کے بعد کسی طرف سے "آداب عرض حضور" کسی طرف سے "حضور کا مزاج" کسی طرف سے "آج تو عرصہ کے بعد زحمت فرمائی" کسی طرف سے "نصیب دشمنان کچھ طبیعت ناساز معلوم ہوتی ہے" کی قسم کی آوازین آنا شروع ہوئین اور اسکے جواب مین بھی "جی ہان نزلہ بخار پریشان کئے ہوئے ہے" کہا جاتا تھا اسی طوفان آداب تسلیمات مین ایک آواز آئی کہ "اب تو وقت ہوگیا" دوسری آواز "جی ہان شروع ہونا چاہئے" تیسری آواز "بسم اللہ" اور اسکے بعد ایک صاحب نے "عرض کرتا ہون" کہکر ممتاز بیگم کی طرح اُس ترنم سے جسکو فن موسیقی سے کوئی تعلق نہ ہو لیکن ہارمونیم پر فٹ بیٹھے یہ مصرع فرمایا ع

آج مہندی پس رہی ہے قتل کی تدبیر ہے

تمام لوگون نے اپنی اپنی آواز مین اس مصرع کو پڑھا اسکے بعد پڑھنے والے نے دوسرا مصرعہ ذرا لمبی تان سے پڑھا اور وہ ابھی "ہے" بھی نہ کہنے پایا تھا کہ "واہ وا۔ واہ، کیا مزے کا شعر نکالا ہے، بھئی واہ ذرا پھر پڑھنا، جیتے رہو دل خوش کردیا" وغیرہ کے فلک شگاف نعرون سے مین تو ایک دم سے اچھل پڑا اور وہ حضرت ہین کہ ہنس ہنس کر ادھر مُنہ کرکے اُدھر مُنہ کرکے اُٹھکر بیٹھکر سلام کررہے ہین ہاتھ جوڑ رہے ہین اور شور ہے کہ کسی طرح کم ہی نہین ہوتا آخر پھر انھون نے وہی شعر پڑھا لیکن ابکی صرف "کیا کہنا ہے، سبحان اللہ سبحان اللہ" پر تعریف ختم کردی گئی۔ اور وہ سلام کرکے دوسرا شعر پڑھنے لگے اور ہر شعر پر یہی طوفان آیا کیا یہانتک کہ انکی غزل ختم ہوگئی اور انھون نے کھڑے ہوکر سبکو سلام کیا اور لوگون نے "کیا خوب غزل فرمائی ہے ہر شعر لاجواب تھا" کہکر انکے سلام کا جواب دیا انھون نے بیٹھکر اس تنہا شمعدان کو جسکا مصرف ابتک ہماری سمجھ مین نہ آیا تھا اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب کی طرف بڑھا دیا اور انھون نے دوزانو بیٹھکر جیب سے ایک نوٹ بک نکالی اور "عرض کرتا ہون" کہکر مجمع کو اپنی طرف متوجہ کیا یہ صاحب ذرا شرمیلے معلوم ہوتے تھے لہذا انھون نے گردن جھکا کر مولوی محمد اسمعیل کی تیسری ریڈر کی طرح بالکل روان یہ مصرعہ پڑھا ع۔ انگڑائی جو لی ناز سے شرما کے کسی نے

اس مصرع کو بھی حاضرین نے پڑھا لیکن جب دوسرا مصرع پڑھا گیا تو ختم ہونے سے پہلے ایسا شور ہوا کہ ہم کچھ سمجھ ہی نہ سکے بس تیر، جگر، نظر سمجھ مین آیا اور باقی مصرعہ کو "اہا ہا۔ ارے بھئی پڑھے جاؤ۔ کیا ثبوت ہے۔ کیا بات پیدا کی ہے۔ کس رخ سے مصرعہ لگایا ہے مدح نہین ہوسکتی۔ تعریف سے مستغنی ہے۔ پھر فرمایئے۔ مکرر۔ واہ وا۔ واہ۔ اے سبحان اللہ۔ ہے ہے" کے شور نے ہمارے کانون تک نہ پہونچنے دیا اور اسی طرح اس بیچارے کے باقی شعر بھی یارون نے خود ہی سُنے اور خود ہی تعریف کی ہم تو تعریف کرنے والون کا مُنہ دیکھا کئے کوئی تو ناک چڑھا کر مُنہ کھول ہاتھ بڑھا کر "واہ" کہتا تھا کوئی زانو پہ ہاتھ مار کر دونون شانے ہلا کر دانت پیس کر "ارے توبہ" کہتا تھا کوئی صرف ذرا سا ہنس کر اور سخن فہمانہ گردن ہلا کر "کیا کہنا ہے" کہتا تھا کوئی صرف ہاتھ بڑھا کر استادانہ شان سے "بھائی پھر پڑھو" کہکر پھر سے پڑھوا تا تھا اور پڑھنے والا پڑھتا الگ تھا سلام الگ کرتا تھا لیکن اس دوگونہ عذاب پر بھی خوش تھا ان حضرت کے پڑھ چکنے کے بعد دو ایک آدمیون نے اور پڑھا اور ہر ایک پڑھنے والے کے ساتھ وہی شور و غل ہوتا رہا اگر کبھی خاموشی طاری ہوجاتی تو لوگ تقاضہ شروع کردیتے تھے کہ "مصرع اٹھائے صاحب آپکی طرف مصرعہ نہین اُٹھ رہا ہے" اور پھر وہی ہنگامہ برپا ہوجاتا تھا چھ یا سات صاحبان پڑھ چکے تو ایک صاحب نے پان لانے کے واسطے اپنی اصطلاح مین فرمایا "پان کا دور ہوجائے" یہ کہتے ہی ایک صاحب

کشتی مین پان اور اسی مین تمباکو لئے تشریف لائے ادہر پان کا دور شروع ہوا اُدہر حقون پر سے چلمین غائب۔ پان کا دور ایک قسم کا "انٹرول" ہوتا ہے جس مین لوگ پیشاب کو بھی اُٹھ جاتے ہین کچھ پانی طلب کرتے ہین کچھ باتین کرتے ہین اور دس پندرہ منٹ کے بعد پھر مشاعرہ شروع ہوتا ہے۔ اس پان کے دور کے بعد چار پانچ آدمیون نے پڑھا جن مین ایک صاحب سب سے اچھا گاتے تھے اور آواز بھی پاٹ دار تھی اسی لئے ان ہی کی تعریف زیادہ ہوئی ان صاحب کے بعد سن رسیدہ پڑھنے والے رہگئے تھے جن کے متعلق لوگون کی بات چیت سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ انکا شمار اساتذہ مین ہے۔ سب سے پہلے پڑھنے والے تقریباً پچاس سال کی عمر کے ہون گے ڈاڑہی تو تھی نہین مگر مونچھون مین خضاب لگا ہوا تھا جب انکا نمبر آیا تو انھون نے دوزانو بیٹھ کر جیب سے پہلے عینک نکالی پھر ایک کاغذ اعینک لگاکر مجمع کو بغور دیکھا اور ایک صاحب سے متوجہ ہو کر فرمانے لگے "آج ہی مصرعہ ملا اس قابل تو نہین ہے کہ پڑھی جائے مگر خیر عرض کرتا ہون ملاحظہ فرمائیگا" پھر دوسرے صاحب سے کہا "حضور اجازت ہے؟" پھر تیسرے سے فرمایا "شاید کسی قابل ہو ایک نئی بات کہی ہے صاف سا مطلع ہے زبان ملاحظہ فرمائیے" مین سمجھا کہ اب زبان نکال کر دکھائینگے مگر انھون نے عجیب بھیانک آواز سے کچھ اس طرح شعر پڑھا کہ باوجود شور نہ ہونے کے کوئی لفظ ہماری سمجھ مین نہ آیا لیکن معلوم نہین دوسرے لوگون نے کس طرح اسکو سمجھ لیا ——————————— پڑھنے والے صاحب نے "واہ واہ طلب" نگاہون سے مجمع کو دیکھ دیکھکر سلام کرنا شروع کردے آخر "حضور پھر فرمائیے، کس تیور سے مصرعہ لگایا ہے یہ قافیہ آپ کا ہوگیا، حضور ایک مرتبہ زحمت فرمائیے واللہ سیری نہین ہوتی" کے تقاضون سے انھون نے پھر وہی پڑھا لیکن اُسی نہ سمجھ مین آنے والے انداز سے اور پھر وہی "واہ واہ" کے نعرے بلند ہوئے۔ اسکے بعد دوسرا شعر پڑھنے کے لئے اُن حضرت نے دوسرا پہلو بدلا اچکن کا دامن سنبھالا مونچھون پر تاؤ دیا کھنکھارے اور انگلی اُٹھا کر ایک صاحب سے فرمایا "اسکی داد دیجئے تو جانون کیا نئی بندش ہو۔ سامنے کا مضمون ہے۔ ملاحظہ فرمائیے" یہ کہکر جو شعر پڑھا تو پہلی مرتبہ سے زیادہ طوفان آیا لیکن ہم ان حضرت سے ایسے تنگ آگئے تھے کہ دعا کر رہے تھے خدا کرے کہین جلد انکی غزل ختم ہو اور کوئی دوسرے صاحب پڑھین لیکن ہمکو کیا معلوم تھا کہ دوسرے صاحب ان سے بھی زیادہ سبحان اللہ ہونگے ان حضرت کے عجیب ٹھاٹھ تھے عجیب بوکھلائی ہوئی صورت بنائے بیٹھے تھے اپنا نمبر آتے ہی بلا پس وپیش غزل نکالی اور پڑھنا شروع کیا، عجیب طرح پڑھتے تھے ہم نے تو یہی سنا۔ ع۔ "دل۔ تھا مولی یا۔ ارے تیر ناظر کھائے۔ یا ہی یا ہی" اور اسکے بعد بڑھے ہوئے ہاتھ بڑھے رہے کھلا ہوا مُنہ کھُلا رہا ہان ذرا چہرہ کے رنگ مین سرخی اور پیشانی پر شکنین زیادہ پڑ گئی تھین تمام مجمع تعریف کرتا رہا مگر وہ اپنے اسی انداز سے دیر تک بیٹھے رہے آخر جب لوگون نے "مکرر ارشاد" کہکر انھین ہوشیار کیا تو انھون نے پھر اسی انداز سے پڑھنا شروع کیا اور پوری غزل میرے شیر نے اسی طرح پڑھ ڈالی انکے پڑھنے پر ہمارے علاوہ بہت سے لوگ ہنس رہے تھے مگر کیا کسی کے ہنسنے سے وہ مشاعرہ مین جانا چھوڑ دیتے ہنسنے والے ہنسا کئے اپنے مُنہ سے ہنسے انھون نے تو اپنی غزل پڑھ لی، ان مین ایک بات بڑی لاجواب تھی کہ پڑھنے کے وقت کوئی لاکھ ہنسے لاکھ بنائے مگر انکو اپنے پڑھنے سے کام رہتا تھا اور کوئی ہوتا تو برا مان جاتا۔ اول تو وہ خود اٹک اٹک کر پڑھتے تھے دوسرے لوگ "مکرر ارشاد"

کا جھگڑا لگا دیتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گھنٹہ کے قریب اُنکے کلام سے لطف اُٹھانے کا موقع ملا اُنکا پڑھنا اس حیثیت سے بھی بھاگوان ثابت ہوا ہے کہ " مشاعرہ کا بڑا انٹرول " یعنے چاء کا دور شروع ہوگیا، یہ وقفہ اتنا طویل تھا کہ اگر ہمکو پہلے سے معلوم ہوتا تو شائد ایک نیند سو بھی لیتے لیکن قسمت مین تو ایک لب بند لب سوز اور لبریز چاء کی پیالی معہ ایک عدد شیرمال کے بوقت دو بجے شب لکھی ہوئی تھی سوتے کیسے ؟ ہم کو بھی اور لوگون کے دیکھا دیکھی اور عذر کرنے والون کی طرح آخر چاء پینی ہی پڑی بلکہ شیرمال بھی کھانا پڑی اور اس شغل مین وقت بڑے مزے سے کٹ گیا یعنی ہماری چاء کی پیالی کے ساتھ انٹرول بھی ختم ہوگیا ابھی ہم آخری گھونٹ پینے کے لئے کچھ پیالی کو اوپر لاتے اور کچھ گردن کو نیچے جھکانے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ " ہان ارشاد " کی آواز نے ہماری نظرون کو شمعدان کی تلاش مین مصروف کردیا اس لئے کہ یہی پڑھنے والے کی نشانی ہم نے مقرر کی تھی کہ جسکے آگے وہ شمعدان ہوگا وہی شخص ضرور پڑھے گا - اس مرتبہ شمعدان جن صاحب کے سامنے رکھا تھا انکی شکل، صورت، انداز نشست و لباس غرضکہ ہر بات سے معلوم ہوتا تھا کہ ان حضرات کو دیکھنے کے بعد اردو زبان کی لغات مین ایک لفظ "تصنع" کی ضرورت پیش آئی ہوگی جسکے معنی وہ حضرت خود تھے جواب پڑھنے والے تھے سر پر بیلدار جنی ہوئی دوپلی ٹوپی اس انداز سے ترچھی کرکے پہنی گئی تھی کہ بالون کے دو بڑی محنت سے بنائے ہوئے چھلے ٹوپی کے باہر اور ابرو کے اوپر پیشانی کو چھپائے رہین آنکھون پر زرد رنگین شیشون کی گول عینک لگائی گئی تھی جو پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ مجھکو شوقیہ لگایا گیا ہے لباس مین نہایت عمدہ سلا ہوا انگرکھا اور اسکے نیچے گلابی رنگ کا اتنا باریک کرتہ پہنا گیا تھا کہ جالی دار بنیائن صاف نظر آرہی تھی پیرون مین جالی کھلا ہوا پاجامہ اور اس پر ریشمی موزے تھے ایک ہاتھ مین غزل اور دوسرے مین نارنجی رنگ کا ریشمی رومال تھا غرضکہ وہ سر سے پیر تک دیوان غالب مرقع چغتائی معلوم ہوتے تھے اپنا نمبر آنے پر پہلے لباس کی شکنین درست کین پھر کلائی کی گھڑی پر سے انگرکھے کی آستین کو ہٹایا اور نہایت دلکش انداز سے فرمایا " اجازت ہے " جواب مین ہر طرف سے " بسم اللہ، ارشاد " کی آوازین آنا شروع ہوگئین یہانتک کہ آپ نے سب سے جدا انکا نہ طرز مین ذرا ترچھے ہوکر دھیمے سرون مین آواز کو دانستہ باریک بناکر اور اپنے خدوخال سے گویا اثر لینے کا انداز پیدا کرکے کچھ فرمایا اور انکے خاموش ہوتے ہی تمام حاضرین نے یکزبان ہوکر نثر مین یعنی بغیر ترنم انکا مصرعہ دہرایا جب وہ دہرا چکے تو پھر ان حضرت نے دوسرا مصرعہ پڑھا جسکے پڑھتے ہی قیامت آگئی چیخ پکار پڑ گئی ایسا غل مچایا کہ سڑک پر کتون نے بھونکنا شروع کردیا اور انکی تمام غزل اسی کیفیت مین تمام ہوئی انکے بعد جو صاحب تشریف فرما تھے انکے متعلق شروع سے ابتک ہم بھی غور کررہے تھے کہ آخر اس سن مبارک مین ان بزرگوار نے یہ زحمت کیون فرمائی ہے یعنی یقین جانئے شدتِ ضعیفی سے پلکین تک سفید ہوگئی تھین اور چہرہ پر اتنی جھریان تھین کہ اچھا خاصہ چارخانہ بن گیا تھا موٹے موٹے شیشون کی عینک لگائے ایک چادر سے لپٹے اس طرح بیٹھے تھے گویا کسی نے لکڑی کے سہارے انکو بٹھا دیا ہے مگر جناب وہ بڈھا تو بڑا زوردار نکلا حالانکہ آواز تک نہین نکلتی تھی لیکن بتانا تا اتنا لاجواب تھا کہ جمناسٹک کے کرتب بھی مات تھے گلے کی رگین پھول جاتی تھین اور ہر لفظ پر معلوم ہوتا تھا کہ اب دم نکلا اب نکلا مگر وہ مرجھائی اور سمٹی ہوئی کھال کے ڈھیلے ڈھیلے ہاتھون کی جنبش سے زمین آسمان ایک کئے دیتا تھا اور لوگ اسکی اس محنت کی دل کھول کر داد دے رہے تھے - ان کے بعد صرف دو آدمی باقی رہگئے تھے جن مین سے

ایک صاحب نے تو بالکل انکار ہی کر دیا کہ ”مین نے کچھ نہین کہا ہے“ لیکن لوگ انکے پیچھے پڑ گئے اور وہ بیچارے قسمین کھانے لگے کہ ”آپ کے سر عزیز کی قسم ایک شعر بھی نہین کہا ہے اور جو ہے وہ سنانے کے قابل نہین بھلا ایسی ایسی غزلون کے بعد مین کیا پڑھون“ لیکن کسی کو انکی قسم کا اعتبار نہ ہوا اور سب پیچھے پڑ گئے تو ان کچھ نہ کہنے والے نے ماشاء اللہ سب سے زیادہ کہا لیکن ایکدم سے نہین ایک ایک دو دو شعر کرکے اب سبکے آخر مین پڑھنے والے نے بھی ناسازی طبع ہمشیرہ کی علالت لڑکی کے عقد والدہ کی ناگہانی موت اور سب سے زیادہ قلتِ وقت کا رونا رو کر معذرت چاہی مگر وہان سب کے دل مین یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جب کچھ کہا نہین ہے تو کیون تشریف لانے کی زحمت فرمائی؟ اور یہ سوال شک مین ڈال دیتا تھا کہ انھون نے ضرور غزل کہی ہوگی اصرار چاہتے ہین لہذا اصرار شروع ہوا اور یہانتک ہوا کہ بیچارے کو کہنا پڑا کہ ”اے حضت بھلا آپ سے زیادہ شعر تھوڑی پیارے ہین مگر واللہ باللہ دو شعر اور ایک مصرعہ سے زیادہ کچھ کہا ہی نہین ہے اب وہ کیا پڑھون“ لیکن جب لوگون نے اُن ڈھائی شعرون کو پڑھنے پر زور دیا تو مطلع اور مقطع کو چھوڑ کر گنتی کے تیرہ شعر معہ مکرر ارشاد اور پھر فرمایئے کے پڑھ ڈالے ہم سمجھے تھے کہ انکے بعد مشاعرہ ختم ہوگا مگر پھر وہی نمبر ایک والے صاحب نے پڑھنا شروع کیا اب ہمکو ڈر معلوم ہوا کہ کہین پھر سے سب نہ پڑھنا شروع کر دین اس لئے کہ نیند کے مارے برا حال تھا اور شور و غل اونگھنے تک نہ دیتا تھا مگر خیر انکی غزل کے بعد مشاعرہ ختم ہوگیا اور ہم صبح ہونے سے ٹھیک آدھ گھنٹہ پہلے گھر آگئے گھر پر آکر ہم نے لاکھ لاکھ مشاعرہ کے شعر یاد کرنا چاہے لیکن سوائے صیاد۔ بلبل۔ اور آشیانے کے کچھ یاد ہی نہ آیا جب دماغ پر بہت زور دیا تو زلف بھی یاد آگئی اور ہم نے اسی کو مشاعرہ کا ماحصل سمجھا۔

کامیاب دوائین

ذیل مین جو دوائین آپ ملاحظہ فرمائینگے انمین سے ہر دوا مجرب اور زود اثر ہے جنکی صداقت آپکو ایکمرتبہ آزمانے پر معلوم ہوگی

سفوف اعجاز مسیحا:۔ یہ کوئی کشتہ نہین ہے مگر صرف ایک تی کے استعمال سے مردہ جسمون مین روح پھونک جاتی ہے تمام سلب شدہ طاقت واپس آجاتی ہے خواہ وہ کسی بے عنوانی کیوجہ سے کیون نہو معدے کے تمام افعال درست ہوکر خون صالح پیدا ہوتا ہے اور چند روز کے استعمال مین چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگتا ہے۔

قیمت فی شیشی جو مکمل علاج کیلئے کافی ہے (للعہ)

روغن کامیاب:۔ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ اعصاب وغیرہ کے دور کرنے مین کوئی دوا اس سے زیادہ زود اثر نہین پہلے ہی دن اپنا اثر شروع کرتا ہے۔ اور گیارہ روز مین بالکل تندرست بنا دیتا ہے قیمت فی شیشی (للعہ)

حبوب اسرار:۔ تمام عیش و نشاط صرف ایک گولی مین پوشیدہ ہے حقیقتاً اگر اسکو لطف زندگی کہا جائے تو بالکل درست ہے قیمت فی درجن (سے)

حبوب معدہ:۔ معدہ کی تمام خرابیان۔ بھوک لگنا قبض دائمی رہنا۔ ریاح باسوری کی شکایت جلن متلی کھٹی ڈکارون جگر کے فعل درست کرنے کیلئے اکسیر ہے صرف ایک گولی ہر غذا کے بعد کھائی جاتی ہے

قیمت ۳۰ گولیون کی۔ - - - - - - - - (سے)

(ترکیب دوا کا پرچہ ہمراہ ہوگا)

منیجر دار الحکمت نیا گاؤن لکھنؤ

اے عشق کہین لے چل!

اے عشق کہین لے چل! اس پاپ کی بستی سے! نفرت گہہ عالم سے، لعنت گہہ ہستی سے!
ان نفس پرستون سے، اس نفس پرستی سے! دور — اور کہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

ہم "پریم پجاری" ہین! تو "پریم کنھیا" ہے! تو "پریم کنھیا" ہے، یہ پریم کی نیّا ہے!
یہ پریم کی نیّا ہے تو اس کا کھوَیّا ہے! کچھ فکر نہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

بے رحم زمانے کو اب، چھوڑ رہے ہین ہم! بے درد عزیزون سے منہ موڑ رہے ہین ہم!
جو آس کہ تھی وہ بھی، بس، توڑ رہے ہین ہم! اب، تاب نہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

یہ جبر کدہ آزاد افکار کا دشمن ہے! ارمانون کا قاتل ہے، امیدون کا رہزن ہے!
جذبات کا مقتل ہے، جذبات کا مدفن ہے! چل! یان سے کہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

آنکھون تلے پھرتی ہے، اک خواب نما دنیا! تارون کی طرح روشن، مہتاب نما دنیا!
جنت کی طرح سرخوش، شاداب نما دنیا! للّٰلہ وہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

قدرت ہو حمایت پر، ہمدرد ہو قسمت بھی! سلمیٰ بھی ہو پہلو مین، سلمیٰ کی محبت بھی!
ہر شے سے فراغت ہو، اور تیری عنایت بھی! اے طفل حسین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

اے عشق ہمین لے چل! اک نور کی وادی مین! اک خواب کی دنیا مین، اک طور کی وادی مین!
حورون کے خیالاتِ مسرور کی وادی مین! "تا خلد برین" لے چل! اے عشق کہین لے چل!

کہسار کے اُس پار اک، اس طرح کی بستی ہو!
جو صدیون سے انسان کی صورت کو ترستی ہو
اور جس کے مناظر پر تنہائی برستی ہو!
یون ہو تو — وہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

اک مذبحِ جذبات و افکار ہے یہ دنیا!
اک مسکنِ اشرار و آزار ہے یہ دنیا!
اک مقتلِ احرار و ابرار ہے یہ دنیا!
دور، اس سے، کہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

مغرب کی ہواؤن سے آواز سی آتی ہے!
اور ہم کو سمندر کے اُس پار بلاتی ہے!
شاید کوئی تنہائی کا دیس بتاتی ہے!
چل، اُس کے قرین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

اک ایسی فضا جس تک غم کی نہ رسائی ہو!
دنیا کی ہوا جس مین قرنون سے نہ آئی ہو!
اے عشق جہان تو ہو، اور تیری خدائی ہو!
اے عشق وہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

اک ایسی جگہ جس مین انسان نہ بستے ہون!
یہ مکر و جفا پیشہ حیوان نہ بستے ہون!
انسان کی قبا مین یہ شیطان نہ بستے ہون!
تو — خوف نہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

برسات کی متوالی گھنگھور گھٹاؤن مین!
کہسار کے دامن کی مستانہ ہواؤن مین!
یا چاندنی راتون کی شفاف فضاؤن مین!
دل چاہے وہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

اِن چاند ستارون کے بکھرے ہوئے شہرون مین!
اِن نور کی کرنون کی ٹھہری ہوئی نہرون مین!
ٹھہری ہوئی نہرون مین، سوئی ہوئی لہرون مین
اے خضرِ حسین لے چل! اے عشق کہین لے چل!

ایک ایسی بہشت آئین وادی مین پہنچ جائین!
جس مین کبھی دنیا کے غم دل کو نہ تڑپائین!
اور جس کی بہارون مین جینے کے مزے آئین!
لے چل! تو وہین لے چل! اے عشق کہین لے چل!!!!

اختر شیرانی

جنگ

تاریکی و ظلمت کا پیکر عفریت جہنم کا سایہ
اُف، دیوِ سیاہ جنگ و جدل ابلیس لعین کا ہمپایہ

پُر ہول اک اژدر امن رُبا، اک زلزلہ افگن قہر خدا
پُر خوف نہنگ ظلم و غضب، سفاک و جفا جو دستِ قضا

اندھیر ہے کالی آندھی ہے، دم گھونٹنے والی فضائین ہین
اک ہیبت ناک سیاہی ہی، دہلانے والی صدائین ہین

وہ شور و غریو وہ ہنگامہ، وہ نعرے خون آشامون کے
وہ غلغلہ افگن بانگ و ہل، وہ ہتّے طبل نوازون کے

وہ فیلِ مست کی چنگھاڑین، وہ مارسیہ کی پھنکارین
وہ زہرہ گداز مہیب سمان، خونریزون کی وہ للکارین

بجلی کی چمک، بادل کی کڑک، چقماق دو دم تلوارونکی
توپون کی قیامت خیز گرج، آواز قدم رہواروں کی

طغیان و تلاطم برپا ہے، طوفانون کا سناٹا ہے
اک گونج ہے صورِ قیامت کی، بندوقون کا دناٹا ہے

بے گنتی ڈھیر ہین لاشون کے اور خون کے دریا جاری ہین
فریاد کراہ سے نالون سے معمور فضائین ساری ہین

وہ ایک جوانِ رعنا کا میدانِ جنگ مین کام آنا
دل تھام کے سات سمندر پار اک بوڑھی مان کا رہ جانا

وہ سیکڑون عورتون بچون کا محرومِ مسرت ہو جانا
راحت کی بلندی سے گر کر نخچیر اذیت ہو جانا

یہ فاقہ، قحط، یہ بیکاری، یہ ساری برکت جنگ کی ہے
یہ دنیا والون پر آخر کیون طاری لعنت جنگ کی ہے

رفیعی اجمیری

رسالہ چمن

اگر آپ نے ابھی تک نہین خرید اتو اب توجہ فرمایئے۔ اسوقت تک جنوری فروری کے رسالے نکل چکے ہین۔ مارچ کا طیار ہے۔ جو جو مضامین اس مین نکل چکے ہین اور نکلنے والے ہین وہ آپ اپنی نظیر ہین اس رسالہ سے زیادہ دلچسپ د رسالہ کوئی نہین ہو سکتا سالانہ چندہ ؎عہ۔ ۶ ماہ کی خریداری منظور نہین ہو سکتی۔ «منیجر نگار»

مشاہدات - واردات

وہ فلسفی تھا مسائل جو اُس نے وضع کئے — جہانِ عقل مین سمجھے گئے اصولِ حیات
اسی کے ساتھ اک آشفتہ حال شاعر نے — سُنائے چند ترانے، مصورِ جذبات
مسافرون نے سرِ رہگزر، جنھین گایا — کہ تلخ و صبر شکن ہون نہ راہ کے صدمات
جو روح بن کے رہے بانسری مین دہقان کی — شرابِ ناب مین جس طرح کیف کے اثرات
غرض کہ فلسفہ نذرِ تغیرات ہوا
فضائے روح مین نغمہ مئے حیات ہوا

تو، توازن چاہتا ہے عقل اور جذبات مین — میرا دعویٰ ہے کہ یہ طرزِ عمل ممکن نہین
مرکزِ اجزائے رندی و ہوسناکی سہی — خواہشاتِ نفس کی صہبائے غفلت آفرین
کچھ مگر اس سے بھی آگے ہین حدودِ خواہشات — موج ہے طوفانِ دل کی تیری ہر سطرِ جبین
ہان تجھے اک رہروِ گم کردہ منزل کی طرح — ہر قدم ہوتا ہے منزل آشنائی کا یقین
امتیاز و فخر کی رو مین بہا جاتا ہے تو — کچھ نہین اسکے سوا علم و فراست ہم نشین
روح مین بیدار ہین کیفیتین جذبات کی
آدمی اک لہر ہے طوفانِ محسوسات کی

علی اختر اختر (حیدرآباد)

غزلیات

ریاض خیرابادی

یاسمن زار نہ ہو لطفِ چمن زار نہ ہو
پھول اُڑتی ہے جہان کوئی دہان خار نہ ہو

حشر کی دھوم سرِ رہگزرِ یار نہ ہو
دو قدم آگے اگر فتنۂ رفتار نہ ہو

دامن برق حجاب اب دمِ دیدار نہ ہو
جس سے بجلی گرے وہ گرمیِ گفتار نہ ہو

اے حسینو رہے انگشت نما دزدِ حنا
دل مین جو چور ہے اُسکا کبھی اظہار نہ ہو

ان کی جنبش ہے کہین تیغ سے بڑھکر قاتل
چوڑیان دستِ حنائی مین ہون تلوار نہ ہو

نہ اُٹھے پردہ جو آپس مین نگاہین نہ ملین
دل کی دل ہی مین رہے آنکھ اگر چار نہ ہو

بارِ عصیان کے سوا دو دو فرشتے سرِ دوش
لطف یہ بندۂ عاجز کو ذرا بار نہ ہو

کب سے کشتی ہے بھنور مین مری اے بیمِ بلا
ڈوب ہی جائے یہ کمبخت اگر پار نہ ہو

مانگتا ہون یہ دعا حشر کا دن ۔ رات بنے
اے بتو میری طرح کوئی سیہ کار نہ ہو

دل کی بات آئے زبان پر نہ کسی کے آگے
آنکھ جو چاہے کہے ، لب سے کچھ اظہار نہ ہو

سرِ خم دیکھ کے ساغر یہ کہا مستون نے
خطِ ساغر کوئی برقِ سرِ کہسار نہ ہو

ایسے باوضع بہت ہین ہمین دو ایک نہین
توبہ کے بعد بھی پینے سے جنھین عار نہ ہو

رہن مے جُبّہ و دستارِ امامت بھی ہوے
اس طرح بھی کوئی بے جُبّہ و دستار نہ ہو

ساتھ رہنا ہے تو مِل جُل کے رہین دوش بدوش
یہ تو کچھ بھی نہین تسبیح ہو زنار نہ ہو

اے جنون ابکی بہار آئے تو اس لطف سے آئے
فرشِ گل پاؤن کے نیچے ہو کوئی خار نہ ہو

پینے آیا ہے سوے میکدہ جو آبِ حیات
خضر صورت یہ پرانا کوئی میخوار نہ ہو

سب کے لب پر ہے مجھے دیکھ کے توبہ توبہ
کوئی اتنا بھی زمانے مین گنہگار نہ ہو

مین نے تم سے جو بتو آنکھ چرائی ہو کبھی
حشر کے روز خدا کا مجھے دیدار نہ ہو

خلق کو دھوکے مین ڈالا ہے مقدس بن کر
اے ریاض آپ سا بھی کوئی گنہگار نہ ہو

سنجر عظیم آبادی

دلِ پُر داغ اپنا ہجر مین مہرِ درخشان تھا
کہ تاریکی کے پردے مین پیامِ صبحِ خندان تھا

مرے جوشِ جنون سے یون ہویدا زخمِ پنہان تھا
جہان جاکر لہو رویا وہی صحرا گلستان تھا

ترے جلوے تھے لاکھون پردۂ فانوس مین پنہان
مگر تھا جان پروانہ وہی شعلہ جو عریان تھا

ہوا یہ عشق کی دنیا مین کیسا انقلاب اے دل
وہی صحرا کا دامن جو ہے کل صحنِ گلستان تھا

نہ پوچھ اے ہم نفس دیوانگیٔ عشق کی وسعت
جدھر وحشت مین جا نکلے وہی اپنا بیابان تھا

تری چوکھٹ پہ تھی سو بار وحشت مین جبین اپنی
جب آیا ہوش دیکھا تو بیابان ہی بیابان تھا

وہی قرطِ الم سے ہو گیا غربت مین دھندلا سا
دلِ پُر داغ جو آئینۂ حسنِ نمایان تھا

جو دیکھا دیدۂ وسعت نظر سے اپنی ہستی کو
تو ہر ذرہ مین پنہان جلوۂ تصویرِ جانان تھا

طلب مین اسکی مر کر اور دوری ہو گئی سنجر
غنیمت زندگی ہی تھی کہ وہ قربِ رگِ جان تھا

فرخ بنارسی

اک طرف کعبہ ہے اک سمت صنم خانہ ہے
سالکِ راہِ طلب بیچ مین دیوانہ ہے

حسن پردے مین ہے دل عشق مین دیوانہ ہے
شمع فانوس مین ہے رقص مین پروانہ ہے

حیرت انگیز ہے عرفانِ جنون کی منزل
عشق تو عشق جہان حسن بھی دیوانہ ہے

حشر تک خاک کا ہر ذرہ کرے گا فریاد
یہ نہ سمجھو کہ یہین تک مرا افسانہ ہے

نشہ مین کہتی ہے ہر عقدۂ مشکل کی گرہ
شرحِ اسرارِ حقیقت خطِ پیمانہ ہے

لائی لے بیخودیٔ شوق کہان تو مجھکو
کہ جہان کوئی نہ اپنا ہے نہ بیگانہ ہے

مستیٔ فطرت کو ہے سامان خدا ساز نصیب
ساقیٔ صبح کا ہر پھول مین میخانہ ہے

بیخودی اسکی جنون اسکا ہے وحشت اسکی
اے خوشا وہ جو ترے عشق مین دیوانہ ہے

قطرۂ اشک کو نا چیز سمجھنے والے
میری ہستی کا یہی حاصلِ افسانہ ہے

گر نہین مظہرِ انوارِ تجلی نہ سہی
آدمی اپنی حقیقت کا تو افسانہ ہے

ہے فریبِ نگہِ چشمِ تصور فرخ
ورنہ کعبہ ہے حقیقت مین نہ بت خانہ ہے

سرمۂ تریاقِ چشم

اس کے متعلق حضرت نیاز فتحپوری صاحب اڈیٹر رسالہ نگار تحریر فرماتے ہین کہ تجربہ سے یہ سرمہ بہت مفید ثابت ہوا ہے اور آنکھ کے بہت سے امراض کے لئے کارآمد چیز ہے۔

قیمت ۱؎ علاوہ محصول ۔۔۔۔ ۱۲؎

انڈین میڈیکل اسٹور نظیر آباد لکھنؤ